پندرہ روزہ
تعمیرِ حیات
لکھنؤ

نشأۃ ثانیہ

اقبالؔ اپنی امید کیشی، آرزو مشربی اور رجائیت کے پیشِ نظر یہ توقع ظاہر کرتے ہیں کہ سیاسی صدمات اور مصائب اور حوادث و آلام نے اگرچہ عالمِ اسلامی کو گھیر لیا ہے، لیکن اس سے وہ بیدار بھی ہوگیا ہے، اور اس میں نئی زندگی اور تازگی کے آثار پیدا ہو چلے ہیں، وہ اپنی نظم طلوعِ اسلام میں ان خیالات کا اظہار کرتے ہیں کہ ستاروں کی کم تابی اس کی دلیل ہے کہ افسونِ شب ختم پر ہے، اور پَو پھٹنے والی ہے، اور صبح تو اس بات کی دلیل ہے کہ خورشید جہاں تاب نکلنے ہی والا ہے، وہ کہتے ہیں کہ حوادث و افکار نے مسلمانوں میں جذبۂ اسلامی اور خود شناسی کا ولولہ پیدا کر دیا ہے، اور طوفانِ کفر نے اس کو اپنے ایمان پر مضبوطی سے جما دیا ہے اور مشرق میں مغرب کے چیلنج کے اثر سے شدید ردِّ عمل پیدا ہو چلا ہے، یہ جوشِ ایمانی اور محبتِ اخوانی ابن سینا و فارابی اور جدید منطق و عقل کے دائرہ سے باہر ہے۔

اور یہ آثار ایسے ہیں کہ مسلمانوں کو شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نطقِ اعرابی، اور ان کی عظمتِ رفتہ واپس ملنے والی ہے۔

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی ‖ افق سے آفتاب ابھرا گیا دورِ گراں خوابی
عروقِ مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا ‖ سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی
مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے ‖ تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی
عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے ‖ شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نطقِ اعرابی

اقبالؔ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی فطرت سیمابی اور ان کی طبیعت سراپا بے تابی ہے، وہ اگر آج اس کروٹ ہیں تو کل بیداری کی کروٹ بھی بدلیں گے۔ ع
جُدا پارے سے ہو سکتی نہیں تقدیرِ سیمابی

ان کی نگاہ میں سرشکِ چشمِ مسلم، صرف آنسو نہیں بلکہ ابرِ نیساں ہے، جس سے دریائے خلیلؑ میں لعل و گہر پیدا اور سیراب ہوتے ہیں، مسلمان ان کی نظر میں خدائے لم یزل کا دستِ قدرت اور زبان ہے، اور ستارے بھی اس کے کارواں کی گردِ راہ ہیں، وہ چونکہ خدا کا آخری پیغام ہے، اس لئے جاوداں اور ازل و ابد پر محیط ہے، اور اس کی فطرت، ممکناتِ زندگی کی امین اور وہ اشیاء کا پاسبان ہے، اسلام اور زندگی ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں، اس لئے مسلمان کی نشأۃ ثانیہ بھی نوشتۂ تقدیر ہے۔

ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی ‖ نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر سازِ فطرت میں نوا کوئی

اقبالؔ مایوس کن مشاہدات اور تجربات کے باوجود ملتِ اسلامیہ سے کبھی ناامید نہیں ہوئے بلکہ اس کی صلاحیتوں اور اہلیتوں کے پیشِ نظر یہی کہتے رہے ۔

نہیں ہے ناامید اقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے ‖ ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

(مولانا سید ابو الحسن علی ندوی)

Regd No. LW/NP 56
Phone 22545

TAMEER-E-HAYAT
Fortnightly
(NADWATUL-ULAMA LUCKNOW-226007 (INDIA)

ایک اہم اپیل — برائے — دار العلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ)

دار العلوم ندوۃ العلماء عالمِ اسلام کا مشہور دینی و علمی مرکز ہے جو تقریباً سالہا سال سے علمِ دین کی خدمت انجام دے رہا ہے، اور الحمد للہ کہ اس کے فضلاء ہندوستان اور بیرونِ ملک میں علمی و دینی خدمات انجام دے رہے ہیں یہ حقیقت نہایت قابلِ توجہ ہے کہ مسلمانوں کی ہر طرح کی فلاح و بہبود اس کے اس دین سے وابستہ ہے جس کو لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔

مسلمان جسقدر اس حقیقت کی طرف توجہ کریں گے اور جس قدر دینی کاموں میں دلچسپی اور بلند ہمتی سے حصہ لیں گے اسی قدر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکی حفاظت و کامیابی کا فیصلہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ" (اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا)۔

ہندوستان کے موجودہ حالات میں ایسے دینی و علمی اداروں کا استحکام نہایت ضروری ہے، جو اسلام کی اشاعت و حفاظت اور مسلمانوں میں علمِ دین کی اشاعت کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ الحمد للہ کارکنانِ دار العلوم ندوۃ العلماء بھی اسی جد و جہد میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ اخلاص اور قبولیت سے نوازیں۔

اس وقت دار العلوم میں ہندوستان کے دور دراز علاقوں کے علاوہ جنوبی افریقہ، شمالی افریقہ، ملیشیا، نیپال وغیرہ کے طلباء بھی زیرِ تعلیم ہیں۔ طلباء کی مجموعی تعداد مع ابتدائی درجات و مکاتب شہر (۱۳۰۰) ہے اس سال غیر مستطیع طلبہ کو تقریباً ڈھائی لاکھ روپیہ کے وظائف دیے گئے، حضرات مدرسین و اسٹاف کی مجموعی تعداد ۸۴ ہے۔

اس وقت ندوۃ العلماء کے سالانہ مصارف مع تعمیرات تقریباً دس لاکھ روپئے ہیں ادھر کئی سال سے جگہ کی قلت کی وجہ سے طلباء کیلئے مناسب اقامتگاہوں کی فوری ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر ایک جدید دار الاقامہ اور اس سے متعلق ضروری عمارتوں کی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا۔ دار الاقامہ کے ایک کمرے پر دس ہزار روپے صرف کا تخمینہ ہے۔ اجتماعی بڑے کام بغیر تعاون کے انجام نہیں پاتے۔ ہمارے مسلمان بھائیوں کو اس اہم کام میں فیاضی اور حوصلے سے توجہ کی ضرورت ہے۔ خصوصاً رمضان المبارک میں صحیح روایات کے مطابق ہر عمل کا ثواب ستر گنا ملتا ہے۔ علمِ دین اور طالبانِ علمِ دین پر جو مسلمانوں کی پاک کمائی خرچ ہوگی انشاء اللہ وہ آخرت میں اجرِ عظیم اور دنیا میں خیر و برکت کی باعث ہوگی۔ ہم تمام مسلمانوں اور خصوصاً اہلِ استطاعت سے گذارش کرتے ہیں کہ حسبِ حیثیت فراخدلی سے دار العلوم کی مدد فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

رمضان المبارک اور اس کے علاوہ مختلف اوقات میں بعض حضرات اساتذہ اور سفراء دار العلوم کے سلسلہ میں مختلف علاقوں میں تشریف لے جاتے ہیں۔ مقامی طور پر اگر دردمند اہلِ خیر حضرات دلچسپی سے تعاون فرمائیں تو انشاء اللہ دار العلوم کی اعانت کا بڑا کام ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین کی حمایت و نصرت کی دولت سے نوازے۔ آمین

(مولانا) ابو الحسن علی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

(مولانا) عبد السلام قدوائی ندوی
(معتمد تعلیمات دار العلوم ندوۃ العلماء)

(مولانا) محمد معین اللہ ندوی
(نائب ناظم ندوۃ العلماء)

سید مصباح الدین نقوی
(معتمد مالیات ندوۃ العلماء)

تعمیر حیات

لکھنؤ

ہندوستان کا پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۵ | ۲۵ دسمبر ۱۹۷۷ء ——— ۱۳ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ | شمارہ نمبر ۴

زر اشتراک اندرون ہند مع محصول ڈاک:
سالانہ: ۱۲ روپے، ششماہی ساڑھے ۶ روپے
فی پرچہ: ۶۰ پیسے
بیرون ہند مع محصول ڈاک:
بحری ڈاک سے: ایک پاؤنڈ اسٹرلنگ
ہوائی ڈاک سے، امریکہ و کناڈا اور
یورپین ممالک: ۳ پونڈ
افریقہ، مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید کے ممالک: ۲½ پونڈ
پاکستان: ۳۰ روپے
بنگلہ دیش: ۱۵ روپے

اسحٰق جلیس ندوی

امید کی کرن

انجمن اقوام متحدہ کے سکریٹریٹ پر تقریباً چالیس آزاد مسلم ممالک کے پرچم لہراتے ہیں لیکن ان آزاد مسلم ممالک کا نظام حکومت اور معاشرہ اسلامی شریعت سے کس حد تک ہم آہنگ اور قرآن و سنت کا کتنا پابند ہے، اس کا اندازہ ہر شخص کو ہے، موجودہ صدی کے نصف اول میں مغربی استعمار کی سیاسی غلامی کا طوق نکل گیا، لیکن ذہنی غلامی کا قلادہ ہنوز گلے کا ہار ہے۔ مسلم ممالک آزادی کے بعد امریکہ اور روس جیسے دو اسلام مخالف کیمپوں میں بٹ گئے ہیں، عالم اسلام کے حکمرانوں کو اس کا احساس و شعور بھی نہیں کہ ان کی مکمل آزادی کا انحصار اسلام سے گہری وابستگی اور اسلامی شریعت کے نفاذ پر ہے۔

بے حسی کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں پڑوسی مملکت میں اسلامی نظریاتی کونسل کا قیام اور اس کی ابتدائی سفارشات کو امید کی ایک کرن کہا جا سکتا ہے،

اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی سفارشات میں اصلاح فرد، اصلاح معاشرہ اور نتیجۃً اصلاح حکومت کی فطری ترتیب کو پیش نظر رکھا ہے، اس کونسل نے یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ کو پورے ملک میں "یوم تجدید عہد" کی حیثیت سے منانے کی اپیل کی ہے، اس دن ہر فرد اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر توبہ کرے گا اور یہ عہد کرے گا کہ وہ اپنی عملی زندگی میں احکام الٰہی کا پابند ہوگا۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کا خلاصہ یہ ہے:

قانون کے میدان میں، کونسل نے پاکستان "ضابطہ فوجداری" اور "شہادت ایکٹ" پر غور کیا۔

حدود کے نفاذ پر اخلاقی طور پر انحطاط پذیر معاشرے کے حوالے سے عام بحث ہوئی جس میں "اقرباپروری" رشوت، کاروباری گواہوں کی شہادت "پولیس کے کردار" اور عدالتوں کی کارکردگی کو پیش نظر رکھ کر یہ فیصلہ کیا گیا کہ کونسل کے آئندہ اجلاس میں (جو اس جمعہ اور ہفتہ کے روز منعقد ہو رہا ہے) اسلامی اصولوں کی روشنی میں تجاویز اور مشورے طے کئے جائیں گے تاکہ شرعی سزاؤں کے نفاذ کی راہ میں موجودہ مشکلات دور کی جائیں۔

کونسل نے بڑھتی ہوئی مقدمہ بازی کا بھی نوٹس لیا، جس کا نتیجہ اخراجات، ذہنی پریشانی اور مصیبت کی شکل میں نکلتا ہے۔ چنانچہ شاید ملک میں کوئی ایسا گاؤں ہوگا جہاں گروہ بندی نے تباہی نہ مچائی ہو۔

اس صورت حال کی اصلاح کے لئے دوسرے اقدامات پر غور کے بعد آخر کار متفقہ طور پر طے کیا گیا کہ معزز اور با اثر افراد کی سرکردگی میں مصالحتی بورڈ قائم کئے جائیں اسی طرح عدالتوں پر سے دباؤ کم ہو جائے گا، جیلوں میں بھی بھیڑ کم ہو جائے گی اور خیر سگالی کی فضا قائم کرنے میں مدد ملے گی۔

چونکہ تعلیم فرد کی زندگی میں اہم کردار ادا کرتی ہے، بنابریں ضروری ہے کہ تعلیم کے ہر مرحلے میں طلباء کو اسلام سے واقفیت بہم پہنچائی جائے۔ اس کے لئے حسب ذیل امور کی سفارش کی گئی۔

۱۔ عربی اور اسلامیات کے لازمی پرچہ ہر درجہ میں ہونا چاہیے۔

۲۔ پیشہ قانون میں نئے آنے والوں کو عربی سے واقفیت ہونا ضروری ہے تاکہ وہ اصل مآخذ سے اسلامی اصولوں کو پوری طرح سمجھ سکیں اور عدالتوں میں، ان کی ترجمانی صحیح طور پر کرسکیں بنابریں گریجویشن کے درجہ کا ایک عربی کا پرچہ ایل۔ ایل۔ بی کے امتحان میں لازمی قرار دیا جائے۔

سرکاری ملازمین ——— کے بارے میں کہا گیا:۔

اعلیٰ ملازمتوں کے لوگوں کے کردار اور اخلاق کا اثر عوام پر گہرا ہوتا ہے اس لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ صرف معقول اور اچھے لوگوں کا ان عہدوں پر تقرر ہونا چاہیے۔ اس لئے ان عہدوں پر پبلک سروس کمیشن کی معرفت تقرریوں سے پہلے حکومت یہ یقین کرے کہ صرف صحیح افراد کا انتخاب ہوا ہے۔ اس ضمن میں امیدواروں کی پاکبازی، قابل اعتماد ہونا اور مذہبی ہونے کے بارے میں تحقیقات کروائی جائے۔

کونسل نے ربا کے خاتمے اور سود پر مبنی بنک کے نظام کے خاتمہ کے سوال پر بھی غور کیا کونسل نے محسوس کیا کہ کچھ مسلم ممالک میں غیر سودی بنکاری کے ادارے قائم کئے گئے ہیں۔ یہ مسئلہ پیچیدہ ضروری ہے مگر تجربہ سے کوئی متبادل نظام بنایا جا سکتا ہے اس کے لئے ابتدا میں ایک ورکنگ پیپر تیار کیا جائے جس میں مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا جائے جو ایک غیر سودی معاشی نظام قائم کرنے میں مدد دیگا۔

معاشرے کے گرے پڑے اور معذور افراد کی امداد کے لئے رضاکارانہ عطیات جمع کئے جائیں اس ضمن میں کسی مناسب ادارے کی مدد سے پورے ملک میں سروے کیا جائے اور ایسے افراد کی ایک فہرست مرتب کی جائے تاکہ مسئلہ کی سنگینی کے بارے میں معلوم ہو سکے اور اسکے حل کے لئے ضروری وسائل کا اندازہ لگایا جا سکے یہ مسئلہ زکوٰۃ سے منسلک ہے۔ کونسل نے فیصلہ کیا کہ آئندہ اجلاس میں غور کرنے کے لئے ایک قابل عمل منصوبہ تیار کیا جائے جن کے ذریعہ ان لوگوں کی امداد فراہم کی جائے۔

دانشوروں سے رابطے اور اپنے پیش نظر مقاصد کے لئے ٹھوس علمی مباحث کے حصول اور تبلیغی و اشاعتی نقطۂ نظر سے اس انداز سے اظہار عزم کیا گیا:۔

عالم اسلام کے کئی مسلم علماء نے ادب اور دنیا کے کئی مسائل پر بڑا کام کیا ہے۔ کونسل نے محسوس کیا کہ اسے ایک بہت اعلیٰ درجے کا سہ ماہی رسالہ جاری کرنا چاہیے اور علماء سے درخواست کرنا چاہیے کہ وہ اس کے لئے اپنے رشحات قلم ارسال کریں، انہیں مقالات پڑھنے کے لئے بلانا چاہیے اور سیمیناروں کا بندوبست کرنا چاہیے۔ حکومت نے حال ہی میں ادارہ تحقیقات اسلامی کو کونسل سے منسلک کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ ادارہ کا سہ ماہی "اسلامک اسٹڈیز" کونسل کا ترجمان بنا دیا جائے جس میں اسلامی فقہ، معاشیات، سماجیات وغیرہ کے پاکستانی اور غیر ملکی ماہرین کے مقالات شائع ہوں۔

ایک اہم مسئلہ ——— جس کا تعلق حکومت کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی الغرض ہر طرح کی پالیسیوں سے ہے اس کے بارے میں کونسل کے نظریہ میں کیا گیا ہے۔ اس مسئلہ پر ابتدائی گفتگو ہوئی کہ مملکت کس حد تک فرد کے معاملات میں مداخلت کر سکتی ہے اس ضمن میں فرد کے واسطے سے ریاست کا کردار اور اسکی حد پر ایک ورکنگ پیپر تیار کیا جائے۔

طے شدہ امور حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ حکومت سے سفارش کی گئی ہے کہ حکومت عدلیہ، انتظامیہ اور دیگر تمام محکموں کے افسران کو ہدایت کرے کہ وہ قرآن کی تعلیمات کے مطابق عمل کریں اور متعلق فریقوں کو افہام و تفہیم اور ثالثی کے ذریعہ خوشگوار سمجھوتہ پر آمادہ کریں، اس قسم کے سمجھوتے سرکاری افسروں کی "اعلیٰ کارکردگی" کا ثبوت ہونگے۔ اس سلسلہ میں ابتدائی مرحلہ کے طور پر کونسل نے فیصلہ کیا ہے کہ سول، تحویل، مجسٹریٹوں اور گزیٹڈ آفیسروں کو ہدایت کی جائے کہ تین سے پانچ تک مقامی باشندوں میں سے اچھی شہرت رکھنے والے ایماندار اور با اثر افراد پر مشتمل مصالحتی کمیٹیاں تشکیل دیں،

۲۔ چوری کرنے، اقامت صلوٰۃ کی خلاف ورزی کرنے پر سزا دینے کی سفارش کا فیصلہ بھی کیا گیا۔

۳۔ ٹیلیویژن اور ریڈیو کے راہ نما اصولوں کو آخری شکل دے دی گئی تاکہ وہ ایسے بامقصد پروگرام تیار کر سکیں، جن کا رجحان اسلامی قدروں کی جانب ہو۔

۴۔ ماہرین معاشیات اور بنکاری کے ایک پینل کی منظوری دی گئی جو اسلامی معاشی نظام بالخصوص بلا سود بنکاری کی ترقی کے لئے تجاویز پیش کرے گا۔ وہ تجاویز مندرجہ ذیل امور بارے میں ہونگی:۔

(۱) اسلامی اقتصادی نظام میں مملکت کا کردار (۲) مکمل روزگار مہیا کرنے کیلئے اسلامی ریاست کی ذمہ داری (۳) سماجی تحفظ کا اسلامی (۴) ہر شخص کو مناسب حیثیت پر بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی کیلئے اسلامی مملکت کی ذمہ داری (۵) اسلام کا مالیاتی نظام کیا ہے۔ (۶) زکوٰۃ کی وصولی اور ان پہلوؤں کا مطالعہ مختصر الحکم جانے بھی لایا گیا۔

تعلیم القرآن

از:۔ مولانا محمد اویس نگرامی ندوی

یتیموں کے ساتھ برتاؤ:

... والیتامیٰ (نساء ۶) اور نیکی کرو یتیموں کے ساتھ۔

جس بچہ کا باپ مر جائے اس کو یتیم کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ بھلائی کرو، سختی کا برتاؤ نہ کرو اور نہ ان کو دبا کر رکھو کہ ان کی نشو و نما کی قوت فنا ہو کر رہ جائے۔ فرمایا:

فاما الیتیم فلا تقہر (ضحیٰ) سو یتیم کو دباؤ نہیں۔

جو لوگ یتیموں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے ہیں ان کو خیال کرنا چاہیے کہ اگر وہ بھی اپنے چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر مر جائیں اور دوسرے لوگ ان بچوں کے ساتھ اسی طرح برتاؤ کریں تو ان کا کیا حال ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بھلائی کی جا رہی ہے، اور سب سے برا وہ گھر ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ برائی کی جاتی ہو! فرمایا میں اور کسی یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں یوں دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے!

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کسی یتیم کو ساتھ لئے بغیر کھانا نہ کھاتے تھے۔ حضرت عائشہؓ اپنے خاندان اور انصار کی یتیم لڑکیوں کو اپنے گھر لے جاکر دل و جان سے ... تھیں۔ یتیم بچوں کے مال کو بد دیانتی اور فضول خرچی سے خرچ نہ کرنا چاہیے جس میں ان یتیموں کا فائدہ ہو وہاں ان کا مال خرچ کیا جا سکتا ہے، حضرت عائشہؓ یتیموں کے مال کو تجارت میں صرف کرتی تھیں تاکہ ان کی دولت بڑھے!

جب تک یتیم سمجھدار نہ ہو جائیں ان کے سپرد ان کا مال نہ کرنا چاہیے۔ اور جب وہ اپنا نفع نقصان سمجھنے لگیں تو ان کا مال ان کے سپرد کر دینا چاہیے۔

محتاجوں کے ساتھ برتاؤ:

... والمساکین (نساء ۶) اور مسکینوں کے ساتھ نیکی کرو۔

محتاج اور غریب آدمیوں کے ساتھ بھلائی کرنا، ان کی ضرورتوں کا پورا کرنا مسلمان پر ایک حق ہے! اس کو ادا کرنا چاہیے۔

آدمی اپنی دولت پر غرور کر کے کسی ضرورت مند سے بے پروائی نہ برتے اور یہ نہ سمجھے کہ اس کو کبھی کسی دوسرے کی ضرورت نہ پڑے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے گا خدا اس کی ضرورت پوری کرے گا اور جو کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کرے گا، اللہ قیامت کی مصیبتوں میں سے کسی مصیبت کو اس سے دور کرے گا۔

صحابہ کرامؓ ضرورت مندوں کی تلاش میں رہتے تھے، حضرت زبیرؓ کا انتقال ہوا تو انھوں نے لاکھوں روپیہ قرض چھوڑا، ان کے لڑکے حضرت عبد اللہؓ اس کی ادائیگی کی فکر میں تھے ایک بار حضرت حکیم بن حزامؓ سے ملاقات ہوئی، تو انہوں نے کہا یہ قرض کیسے ادا کرو گے؟ اگر مجبور ہو جاؤ تو مجھ سے کہنا میں مدد کروں گا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ عام طور سے کسی مسکین کے بغیر کھانا نہ کھاتے تھے۔ حضرت حارثہؓ کی آنکھیں جب جاتی رہیں تو دروازہ سے ایک دھاگا باندھ رکھا تھا، جب کوئی مسکین آتا، تو ٹوکری سے کچھ کھجوریں لے لیتے اور دھاگے کے سہارے دروازہ تک آکر اس کو دیدیتے۔

اگر کوئی ضرورت مند کسی قسم کی مدد مانگے، وہ مدد جسم کی ہو یا مال کی، یا علم کی تو اس کے سوال کو سختی سے رد نہ کرنا چاہیے، امکان بھر اس کو پورا کرنا چاہیے اور پورا کرنا ممکن نہ ہو تو نرمی سے عذر کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

واما السائل فلا تنہر (ضحیٰ) اور تو سوال کرنے والے کو جھڑک کا نہ کر۔

مدد کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ کسی دوسرے سے اس کی مدد کی سفارش کر دی جائے اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جو نیک بات کی سفارش کرے گا، تو اس کے ثواب میں اس کا بھی حصہ ہوگا اور جو بری بات کی سفارش کرے گا تو اس کے گناہ میں وہ بھی حصہ پائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی ضرورت مند آتا، تو آپ صحابہ سے فرماتے کہ تم سفارش کرو تو تمہیں بھی ثواب ملے گا۔

محسن انسانیت ﷺ نے فرمایا

★۔ جس نے کوئی درخت لگایا اور اس درخت کے پھلوں سے کسی انسان یا جانور کو فائدہ پہونچا تو درخت لگانے والا عند اللہ ماجور ہے۔

★۔ قلوب کا یہ فطری خاصہ ہے کہ جب کوئی کسی کے ساتھ احسان اور مروت کا برتاؤ کرتا ہے تو وہ اپنے محسن سے محبت کرتے ہیں۔

★۔ جب بندے کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں اور اس کے اعمال میں کوئی ایسی بھاری کی نہیں ہوتی جو اس کے گناہوں کا کفارہ ہو سکے تو خدا اُسے رنج و غم میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔

★۔ جو چیز تمہیں خریدنی نہیں ہے اس کا بھاؤ مت بڑھاؤ۔

★۔ غلے کو روک کر بیچنے والا ملعون ہے۔

★۔ کام لینے سے پہلے مزدور کو اس کی اُجرت بتا دو۔

★۔ جو رزق حلال کے لئے محنت مزدوری کرتا ہے اور رات تھک کر گذارتا ہے، اللہ اس سے راضی ہوتا ہے۔

★۔ کسی مجلس میں پہنچو تو پہلے سلام کرو اور جب اٹھو تب بھی سلام کرو۔

★۔ مسلمان بھولا اور فیاض ہوتا ہے۔ بد معاش، چالاک اور کنجوس نہیں ہوتا۔

★۔ جس کی بہتری اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتی ہے اسے نیک بخت دوست عطا فرماتا ہے کہ اگر وہ (کوئی امر الٰہی) بھولے تو وہ اسے یاد دلا دے۔

★۔ لوگو جھوٹی شہادت (گناہ میں گویا) شرک کے برابر ہے۔

★۔ کسی کو پانی اور نمک سے روکنا جائز نہیں۔

★۔ دنیا کی بہترین متاع نیک بخت بیوی ہے۔

★۔ جو شخص کسی ایسی غیر آباد زمین کو آباد کرے جو کسی کی ملک نہیں تو وہ اس زمین کا حقدار ہے۔

★۔ جس نے افتادہ اور بنجر زمین پر کھیتی کی تو اس کا بھی اجر و ثواب ہے۔

★۔ خدا تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

★۔ آخر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دین کے ذریعہ اپنی دنیا کماتے پھریں گے۔ ان کی زبانیں قند سے زیادہ شیریں اور ان کے دل بھیڑیوں کے سے ہوں گے۔

★۔ اپنی مرادات میں ان کے مخفی رکھنے سے مدد لو یعنی اپنے رازوں کو چھپاؤ۔

★۔ مومن نہ طعنہ باز ہے نہ لعنت کرنے والا نہ فحش گو نہ بے شرم و بے حیا یعنی یہ چیزیں ایمان کی شایان شان نہیں۔

★۔ کسی نے عرض کیا نجات کا راستہ بتائیں فرمایا اپنی زبان کو روک، گھر میں بیٹھ اور اپنے گناہوں پر رویا کر۔

★۔ بخدا تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں جب تک میں اسے جان و مال اور اولاد سب سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

★۔ (جو کوئی ہمیشہ روزہ رکھے) تو اس کا نہ روزہ ہے نہ افطار یعنی بہ کثرت و دوام داخل عادت ہو کر غیر مفید ہو جاتی ہے۔

★۔ خدا تعالیٰ اگر ایک انسان کو تمہارے ذریعہ (نیکوکاری کی) ہدایت دیدے تو وہ تمہارے لئے سُرخ اونٹ سے بہتر ہے۔

★۔ تم میں بہت اچھے وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں دیکھا جائے تو خدا یاد آجائے۔

★۔ جس نے اپنی قدر پہچانی نجات پائی۔

★۔ مشورہ کے لئے معتمد آدمی ہونا چاہیے۔

★۔ مرد نہ کہی ہوئی بات پر اختیار رکھتا ہے (سوچ سمجھ کر بات زبان سے نکالو)

★۔ مرد اپنے دوست کے ساتھ ہوتا ہے۔

★۔ بنی آدم کے تمام دل اللہ کے قبضہ و اختیار میں ہیں۔ جس طرح ایک دل ہو اور وہ جدھر چاہتا ہے اس کو پھیر دیتا ہے۔

★۔ خدا کی راہ میں مارا جانا ہر گناہ کو مٹا دیتا ہے مگر قرض کو نہیں مٹاتا۔

★۔ سب سے محبت رکھو۔ آدھی عقل اسی میں ہے۔

شاید آپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ یہاں ہدایت عام کرے اور اسلام کی روشنی پھیلائے

اپنے دورۂ امریکہ اور کینیڈا کے موقع پر ٹورنٹو (کینیڈا) میں مقیم مسلم نوجوانوں اور تعلیم یافتہ حضرات سے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ۱۰ جون ۱۹۷۷ء کو خطاب فرمایا تھا اس تقریر کا متن، جو ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے قلمبند کیا گیا، نذر قارئین ہے۔

★

یا عبادی ان ارضی واسعۃ فایای فاعبدون۔

ذرائع اور مقاصد!

میرے بھائیو اور بہنو! اللہ تعالیٰ کے یہاں انسان کی زندگی کا مقصد بندگی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت اور اس کے احکام کے مطابق زندگی گذارنا اور آخرت کے لئے کوشش اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چل کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا، اصل مقصد یہ ہے، اس کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں سب وسائل اور ذرائع ہیں، مقصد اور ذریعہ کا مطلب آپ سمجھتے ہیں، اللہ کے قرب کے ذرائع کو تلاش کرنا، مناسب ماحول تیار کرنا، قوت نافذہ حاصل کرنا تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل آسان ہو جائے، اور کوئی مجبوری کی شکایت نہ کر سکے، اور کوئی دوسری طاقت اور دوسرا اقتدار اس میں خلل اندازی نہ کر سکے اور اس کے مقابل دوسری کوئی متوازی دعوت نہ دے سکے، اس کو قرآن مجید نے اپنے معجزانہ الفاظ میں بیان کیا ہے کہ حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ۔ یہاں تک کہ کشمکش جاتی رہے یعنی دو طاقتوں کے درمیان جو تصادم، ٹکراؤ Clash ہوتا ہے وہ جاتا رہے جس کی وجہ سے لوگ خواہ مخواہ انتشار میں پڑیں، Confusion کا شکار ہوں، کوئی کہے ادھر چلو، کوئی کہے ادھر چلو۔

یکون الدین کلہ للہ یعنی طاعت وفرماں برداری صرف اللہ تعالیٰ کی ہو، اسی کے لئے دعوت کا کام ہے، اسی کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، ضرورت ہو۔۔۔ اور وقت آئے تو جہاد ہے، اسی کے لئے اسلام کو ایسی طاقت مہیا کرنا اور اس کو اقتدار پر لانا ہے کہ کمزور لوگوں کو بھی خدا کے بتائے ہوئے راستے اور اللہ اور رسول کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ایسا مشکل نہ ہو جائے کہ وہ کہیں کہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا یہ تو ہماری طاقت سے باہر ہے۔

اصل مقصد اللہ کی بندگی:

ان تمام ذرائع کا مقصد اللہ کی بندگی ہے، وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اس کے بارے میں ذہن کو پورے طور پر صاف کر لینا چاہیے، میں نے یہاں یورپ میں اور امریکہ میں پڑھے لکھے لوگوں کے ذہن میں اچھا خاصا الجھاؤ پایا کہ وہ ذرائع اور مقاصد کے درمیان فرق نہیں کر پاتے، مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے جو زندگی دی ہے، صلاحیتیں دی ہیں انہیں ہم ایسے کاموں میں استعمال کریں کہ اللہ ہم سے راضی ہو اور زندگی کا مقصد پورا ہو، آخرت میں اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہو اور ہمیں اپنا قرب عطا فرمائے، اور ہم اس کے سامنے سرخرو ہوں اور جنت میں ہمیں اونچے سے اونچا مقام حاصل ہو، یہ اصل مقصد ہے، یہ مقصد اگر کہیں پورا ہو رہا ہے تو بہت مبارک ہے اور اگر یہ مقصد خاص اپنے وطن میں پورا نہ ہو تو اسے خیرباد کہنا چاہیے، وطن جہاں آدمی پیدا ہوا ہے اور اس کے ذرے ذرے سے اسے محبت ہے اور جہاں کا کانٹا بھی انسان کو پھول سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔

خار وطن از سنبل و ریحان خوشتر

کسی نے کہا ہے کہ وطن کا کانٹا بھی سنبل وریحان اور معطر قسم کے پھولوں سے زیادہ محبوب و خوشنما ہوتا ہے، اس کی خاک بھی کیمیا اور مٹی بھی اکسیر بھی جاتی ہے، آدمی اس کو آنکھ کا سرمہ بناتا ہے، ایسا وطن جہاں الفت ومحبت کے تمام ذرائع موجود ہیں، والدین موجود ہیں بھائی بہن خاندان کنبہ اور اولاد موجود ہے، وطن وطن میں کوئی فرق نہیں ہوتا، آسمان زمین یکساں ہوتے ہیں، میں نے طویل سفر کیا کوئی فرق نہ پایا، میں نے کہیں یہ نہیں دیکھا کہ کہیں کی مٹی سونا ہو اور کہیں کی خاک، کہیں آسمان شامیانے کی طرح قریب ہو اور کہیں لاکھوں میل دور، کہیں دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہوں اور کہیں پانی کی نہریں بہہ رہی ہوں، مجھے ساری زمین ایک طرح کی اور سارا آسمان ایک طرح کا نظر آیا۔

وطن اور مسافرت میں جو فرق ہے وہ ان مالوفات کی وجہ سے ہے، وطن مجموعہ ہے مالوفات کا یعنی جس سے آدمی کے دل کو لگاؤ، تعلق اور وابستگی ہوتی ہے وہ چیزیں وہاں زیادہ جمع ہیں، طبعی، شرعی اور فطرت سلیم جن چیزوں سے لگاؤ رکھتی ہے اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اس آیت میں جمع کر دیا ہے، قل ان کان آباؤکم وابناؤکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموہا ومساکن ترضونہا۔

وطن کا مسکن چاہے جھونپڑا ہی ہو، میں یہاں امریکہ میں آیا ہوں، میں نے واشنگٹن بھی دیکھا، نیویارک بھی دیکھا، شکاگو بھی دیکھا، لیکن سچی بات یہ ہے کہ مجھے اپنا جھونپڑا یاد آ رہا ہے، آپ بھی دعا کیجئے اور میں بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ خیر وعافیت کے ساتھ وہاں پہونچا دے، اب اگر کوئی کہے کہ میاں تمہیں اپنا جھونپڑا ایسے شاندار شہر میں کیوں یاد آ رہا ہے، وہاں کیا رکھا ہے، وہاں خاک اڑتی ہے، میلے کچیلے لوگ، نہ موٹر ہے نہ سامان تمدن اور تمہیں رائے بریلی کا مکان اور ندوہ یاد آ رہا ہے اور اس سے بڑھ کر حرمین شریفین یاد آتے ہیں حالانکہ وہاں وہ ترقیاں نہیں ہیں، اور اللہ تم ان مغربی تمدن کی ترقیوں سے محفوظ بھی رکھے، یہ دل کا لگاؤ ہے، اس کا تعلق بڑی بڑی عمارتوں سے نہیں ہے، وہ چیزیں جو فطری طور پر آدمی کو محبوب ہوتی ہیں وہ ساری وطن میں موجود ہوتی ہیں، لیکن مجھے یہ کہنا ہے کہ اگر وطن میں خدا کی بندگی نہ ہو سکے اور خدا کے احکام پر نہ چل سکیں تو وطن کو دور سے سلام کرنا چاہیے کہ خدا حافظ،

حضورؐ کی ہجرت:

حتی کہ مکہ مکرمہ کی سرزمین کہ جس کے اندر قدرتی طور پر ایسی محبوبیت اور دلآویزی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے واجعل افئدۃ من الناس تہوی الیہم۔ اے اللہ لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ جیسے مقناطیس سے لوہا کھنچتا ہے ایسے یہ لوگ کھنچے آئیں، محبوبیت حرم شریف اور اس میں بیت اللہ، آب زمزم اس میں صفا اور مروہ، پھر اس کے نزدیک منیٰ اور عرفات لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہاں مسلمانوں کے لئے خدا کی بندگی مشکل ہو رہی ہے تو فرمایا "حبشہ چلے جاؤ" یہ کیوں فرمایا؟ دین پر قائم رہنے کے لئے فرمایا کہ یہاں نماز نہیں پڑھ سکتے، خدا کی عبادت نہیں کر سکتے، ان کا سر زبردستی بتوں کے سامنے جھکایا جاتا ہے، ان کے سامنے خدا کی توہین کی جاتی ہے، زبردستی ان سے کفر کرانے کی کوشش کی جاتی ہے، تو فرمایا کہ "حبشہ چلے جاؤ" دو مرتبہ حبشہ کو ہجرت ہوئی، آخر میں خود آپ کو حکم ہوا کہ مکہ چھوڑ دو اور مدینہ چلے جاؤ۔ اللہ کے نام پر مکہ جیسا شہر چھوڑا جا سکتا ہے تاکہ خدا کی عبادت آزادی کے ساتھ ہو سکے تو دنیا کے اور شہر کس شمار وقطار میں ہیں۔ نیویارک و لندن ہو یا ٹورنٹو اور شیکاگو ہو، دہلی و لکھنؤ ہو، کوفہ وبصرہ ہو، اندلس وقرطبہ ہو یا قاہرہ و دمشق ہو۔ اصل یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کیا جا سکتا ہو وہ جگہ محبوب ہے اور رہنے کے قابل ہے،

مجھے کہنا یہ ہے کہ میں یہاں آیا میں نے یہاں بہت سے شہر دیکھے اور یونائیٹڈ اسٹیٹ امریکہ کے اپنے بھائیوں کا قریبی جائزہ لیا ہے اب آپ کے یہاں کینیڈا آیا ہوں۔

مسرت اور تشویش:

ایک طرف تو مجھے مختلف ممالک کے مسلمانوں کو یہاں دیکھ کر خوشی ہوئی، فطری بات ہے کہ آدمی کو اپنے ہم جنس اور ہم مذہب لوگ ملتے ہیں تو خوشی ہوتی ہے، لیکن دوسری طرف میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کیا آپ کو یہاں پورے طور پر اسلامی زندگی گذارنے کا موقع ہے۔؟ اور کیا آپ کی آئندہ نسلیں اسلام پر قائم رہیں گی۔؟ آپ کے اندر جو اسلامی جذبہ تھا کیا وہ ویسا ہی روشن اور فروزاں رہیگا؟ یہ بات سوچنے کی ہے۔ آپ برا نہ مانیں یہاں ہمارے اکثر بھائی مادی اغراض سے آئے ہیں، ہمارے ایک بھائی نے کہہ بھی دیا تھا کہ صاحب ہم تو یہاں کھانے کمانے کے لئے آئے ہیں۔

یہ کوئی حرام بات نہیں ہے، کوئی گناہ کی بات نہیں ہے، لیکن جہاں خالص مادیت کی زندگی اور غفلت کا دور دورہ ہو وہاں جا بسنا خیر حرج نہیں لیکن وہاں بسنے کا فیصلہ کرنا، یہ بات سوچنے کی ہے۔۔۔ میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ کو یہ اطمینان ہے کہ آپ یہاں اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق گذار سکتے ہیں اور دعوت کے کام میں مشغول ہیں، اور یہاں آپ کے رہنے سے دین کو فائدہ پہونچ رہا ہے، اس بات پر آپ کا دل گواہی دے کہ آپ اپنا ایمان بھی بچا رہے ہیں اور دوسروں کے ایمان کی فکر بھی کر رہے ہیں، اور بقدر ضرورت معاشی جدوجہد میں مشغول ہیں تب تو ٹھیک ہے، میں بھی کہوں گا کہ آپ کا رہنا مبارک ہے شاید آپ کے ذریعہ سے اللہ یہاں ہدایت عام کرے اور اسلام کی روشنی پھیلائے، اور یہ خطہ بھی اسلام کی دولت وسعادت سے ہمکنار ہو جائے، یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہیں مسلمان عرب سوداگر جب مشرق بعید انڈونیشیا، ملیشیا اور بحر ہند کے جزیروں میں پہونچے تو جزیرے کے جزیرے مسلمان ہو گئے اور وہاں آج مسلمانوں کی کھلی ہوئی اکثریت ہے، آپ تحقیق ومطالعہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ اسلام زیادہ تر عرب تاجروں کے ذریعہ پھیلا، یا پھر صوفیائے کرام کے ذریعہ پھیلا ہے۔

ہمارے برصغیر میں بھی سندھ وغیرہ کے علاقوں میں یا مسلم اکثریت کے علاقے مثلاً کشمیر ومشرقی بنگال صرف صوفیائے کرام کے شرمندۂ احسان ہیں۔ یہاں رہنے کے بعد اپنے ایمان اور اپنی آئندہ نسلوں کے اسلام کی حفاظت کا انتظام اور اطمینان آپ نے کر لیا ہے اور یہاں رہ کر آپ دعوت کا کام کرتے ہیں اور ایسی اسلامی زندگی کا مظاہرہ کرتے ہیں جو دوسروں کے لئے کشش کا باعث ہو تو آپ کے یہاں رہنے کا جواز ہے، جواز ہی نہیں بلکہ یہ بہت بڑا جہاد اور بہت بڑی خدمت ہے۔

اگر ایسا نہیں ہے اور آپ کا مطمح نظر صرف کھانا کمانا ہے تو یہ مقصد مسلمان کے مقام اور مقصد حیات سے میل نہیں کھاتا، صرف کھانے کمانے کے لئے اتنی دور دراز کی مسافت طے کرنا کسی مسلمان کے شایان شان نہیں،

اللہ تعالیٰ کی رزاقی جغرافیائی حدود کی پابند نہیں، میں یہ سراسر عملی باتیں کر رہا ہوں، علمی نکات اور موشگافیاں کسی اور موقع پر کوئی عالم بتائیں گے، میں نے جو کچھ یہاں دیکھا اس کی روشنی میں یہ چند عملی باتیں بے تکلف عرض کر رہا ہوں، اگر آپ کی زندگی اور آپ کا یہاں قیام اسلام کے لئے مفید ہے اور اس کی راہ ہموار کرتا ہے تو میں یہ فتویٰ دیتا ہوں کہ آپ کا یہاں رہنا نہ صرف جائز بلکہ ایک عبادت ہے، اگر اپنے ایمان اور اپنے بچوں کی دینی زندگی کی طرف سے اطمینان نہیں تو مجھے اس سے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے کہ نہ جانے یہاں کس حال میں موت آئے ہم خدا کو کیا جواب دیں گے کہ صرف کھانے کمانے کے لئے وہاں گئے تھے، یہ نہ اسلامی کردار ہے نہ مسلمان کی شان ہے، ہاں اگر آپ نے یہ انتظام کر لیا کہ آپ کے ایمان پر ذرہ برابر آنچ نہ آئے آپ کسی دینی دعوت اور اسلام کی تبلیغ کرنے والی تنظیم میں شریک ہیں، آپ نے ماحول بنایا ہے کوئی ایسا حلقہ بنایا جس میں دینی باتیں ہوتی ہیں اور تذکیر ہوتی ہے، آخرت کی فکر ہوتی ہے، آپ یہاں غیر مسلموں کے سامنے ایسی زندگی پیش کر رہے ہیں جس میں Charm ہے کشش ہے، اور آپ نے اپنے بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام کر لیا ہے، یہ بہت اہم بات ہے، قیامت کے دن بچوں سے جب پوچھا جائیگا کہ تم کیسے اس حالت میں آئے ہو کہ نہ ہمارا نام جانتے ہو نہ ہمارے رسول کا نام جانتے ہو نہ نماز جانتے ہو تو وہ کہیں گے کہ "ربنا اطعنا سادتنا وکبراءنا فاضلونا السبیلا"، ہمارے پروردگار ہم نے اپنے بڑوں کی بات مانی، انہوں نے جس راستے پر لگایا اسی راستے پر ہم لگ گئے، انہوں نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا قرآن مجید میں آتا ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا قوا انفسکم واہلیکم نارا۔ اے ایمان والو بچاؤ اپنے کو اور اپنے بچوں کو آگ سے۔ آپ کے بچے بیشک اسکول جاتے ہوں گے لیکن کیا آپ نے ان کے لئے ایک وقت مقرر کیا ہے جس میں توحید ورسالت اور دین کی تعلیم حاصل کریں؟ جس کے بغیر آدمی مسلمان ہو نہیں سکتا۔ اور آپ انہیں بتائیں کہ فلا تموتن الا وانتم مسلمون خبردار اسلام کے علاوہ کسی اور راستے پر مرنا حرام ہے۔ کسی مسلمان بچے کی دینی تعلیم وتربیت کے بغیر زندگی سے اس کی موت بہتر ہے۔

اس صاف گوئی پر مجھے معاف کریں لیکن یہ عملی چیزیں جنہیں یہاں رہ کر آپ کو برتنا ضروری ہے، بچوں کی تعلیم اور یہاں اسلامی ماحول بنانے میں اگر آپ تھوڑا سا وقت دیتے ہیں تو آپ یہاں رہئیے، شاید اللہ تعالیٰ نے اسی کے لئے آپ کو یہاں بھیجا ہے۔

ہندوستان وپاکستان اور ایشیائی ممالک سے ذہین نوجوانوں کی جوار بھاٹا کی طرح جو لہریں چلی آ رہی ہیں اور وہ یہاں کا رخ کر رہے ہیں تاکہ اپنا دامن اور جھولی بھریں تو ان ملکوں کا کیا ہوگا جہاں سے اچھے تعلیم یافتہ اور ذہین لوگ مادی منافع کی خاطر اپنے ملکوں کو چھوڑ دیں میں ان لوگوں کا یہاں رہنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اپنے ایمان کی حفاظت اور غیر مسلموں میں دینی دعوت کو اپنا مقصد بنایا ہے۔

اپنی زندگی مفید اور متعدی بنائیے کہ غیر مسلم دیکھ کر متاثر ہوں اور اسلام قبول کریں۔

چند عبرت انگیز واقعات:

ورنہ یہاں تو یہ حال ہے کہ یہاں بوسٹن میں مقیم ہمارے ایک عزیز مولوی مدثر ندوی نے کہا کہ یہاں ایک حاجی صاحب کا انتقال ہو گیا تو انہیں فون آیا کہ آخری رسوم میں شریک ہوں۔ وہاں پہونچ کر انہوں نے دیکھا کہ لاش تابوت میں رکھی ہے، سوٹ پہنایا ہوا ہے، ٹائی لگی ہے، سونے کی انگوٹھی پہنائی ہوئی ہے عیسائی مرد عورتیں آ رہے ہیں اور Kiss کر رہے ہیں، تابوت پر پھول ہار وغیرہ ڈال رکھے ہیں، اللہ تعالیٰ اس نوجوان کی عمر میں برکت دے، آخر عربی مدرسوں میں پڑھنے سے فائدہ ہی ہوتا، اس نے ان مرحوم کے لڑکے کو بلایا اور کہا کہ میں جاتا ہوں، انہوں نے پوچھا کیوں؟ وجہ یہ ہے کہ میں جو کچھ کہوں گا آپ کریں گے نہیں گے

ان صاحب نے کہا کہ ہم نے آپ کو بلایا ہے ہم آپ کی بات مانیں گے۔ مولوی مدثر نے کہا کہ پہلے تو ڈنکا سوٹ اتاریئے، لوگوں کو یہاں سے علیحدہ کیجئے میت کو شرعی طریقہ سے غسل دیں گے، کفن پہنائیں گے یہ انگوٹھی بھی نکال دیجئے، ان صاحب نے کہا انگوٹھی نہ اتاریئے گا ورنہ ہماری والدہ کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ ہم انگوٹھی ضرور علیحدہ کریں گے اگر آپ کی والدہ کے ہارٹ فیل کا خطرہ ہو تو انہیں نہ بتائیے، خیر وہ راضی ہوئے۔

وہ تو اتفاق تھا کہ ہمارے یہاں کا پڑھا ہوا وہ بچہ وہاں پہونچ گیا ورنہ خدا جانے کتنے مسلمان اس ملک میں ایسے دفن ہو جاتے ہوں گے۔

ایک اور واقعہ سنا جس سے بڑی عبرت ہوئی کہ ایک مصری عالم کا انتقال ہوا جن کی بیگم امریکن تھی، مسلمانوں کا قبرستان ذرا دور تھا تو عیسائیوں کے قبرستان میں انہیں دفن کر دیا گیا، یہ چیزیں وہ ہیں کہ جنہیں ایک مسلمان خواب میں دیکھ لے تو چیخ اٹھے کہ یا اللہ خیر فرما، تو ہی حفاظت فرما۔ چہ جائیکہ یہ واقعات عام ہو جائیں اور ہم سن کر اپنی کوئی فکر نہ کریں۔

دوہرا خطرہ:

بھائیو! اپنی فکر کرو، اپنی اولاد کے اسلام پر قائم رہنے کا بندوبست کرو، ورنہ آپ لوگوں کا یہاں رہنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا، ایک تو تم خطرے میں ہو، دوسرے تمہارا ملک خطرے میں ہے ہندوستان وپاکستان کے جو تعلیم یافتہ نوجوان یہاں آ رہے ہیں اگر وہاں رہتے تو جس جس آدمی کے ماتحت کام کرتے، ان کو تقویت ہوتی ان کے والدین اور ہم قوم افراد کو تقویت ہوتی، مسلم ممالک کے نوجوان کثرت سے یہاں ہیں اگر اپنے وطن میں ہوتے تو اپنے ملک بناتے، طاقتور بناتے اور اپنی صلاحیتوں سے فائدہ پہونچاتے، محض تنخواہ کی زیادتی، اچھے مکان اور بہتر خورد و نوش کے لئے یہاں آنا۔ یہ بات بہت سوچنے کی ہے، آپ کو مجھ سے یہ توقع ہوگی کہ میں آپ کے لئے دلخوش کن باتیں کہوں

اپنے ایمان اور اپنی آئندہ نسلوں کے اسلام کی حفاظت کا انتظام کیجئے اور یہاں دین کی دعوت کا کام کیجئے

صرف کھانے کمانے کے لئے اتنی دور دراز کی مسافت طے کرنا مسلمان کے شایان شان نہیں

شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ

مقصدِ شہادت:

ہر سال محرم میں کروڑوں مسلمان شیعہ بھی اور سنی بھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اپنے رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ ان غمگساروں میں سے بہت ہی کم لوگ اس مقصد کی طرف توجہ کرتے ہیں جس کے لئے امام نے نہ صرف اپنی جان عزیز قربان کی بلکہ اپنے کنبے کے بچوں تک کو کٹوا دیا کسی شخص کی مظلومانہ شہادت پر اس کے اہل خاندان کا اور اس خاندان سے محبت و عقیدت یا ہمدردی رکھنے والوں کا اظہار غم کرنا تو ایک فطری بات ہے۔ ایسا رنج و غم دنیا کے ہر خاندان اور اس سے تعلق رکھنے والے کی طرف سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی کوئی اخلاقی قدر و قیمت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اس شخص کی ذات کے ساتھ اس کے رشتہ داروں اور خاندان کے ہمدردوں کی محبت ایک فطری تقاضہ ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ حضرت حسین رض کی وہ کیا خصوصیت ہے جس کی وجہ سے ۱۳۲۰ برس گذر جانے پر بھی ہر سال ان کا غم تازہ ہوتا رہے؟ اگر یہ شہادت کسی مقصد عظیم کے لئے نہ تھی تو محض ذاتی محبت و تعلق کی بنا پر صدیوں اس کا غم جاری رہنے کے کوئی معنی نہیں ہیں اور خود امام کی اپنی نگاہ میں اس محض ذاتی و شخصی محبت کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؟ انھیں اگر اپنی ذات اس مقصد سے زیادہ عزیز ہوتی تو وہ اسے قربان ہی کیوں کرتے؟ ان کی یہ قربانی تو خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اس مقصد کو جان سے بڑھ کر عزیز رکھتے تھے۔ لہٰذا اگر ہم اس مقصد کے لئے کچھ نہ کریں بلکہ اس کے خلاف کام کرتے رہیں تو محض ان کی ذات کے لئے گریہ و زاری کرکے اور ان کے قاتلوں پر لعن طعن کرکے قیامت کے روز نہ تو ہم امام ہی سے کسی داد کی امید رکھ سکتے ہیں اور نہ یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ ان کا خدا اسکی کوئی قدر کرے گا۔

اب دیکھنا چاہیے کہ وہ مقصد کیا تھا؟ کیا امام تخت و تاج کے لئے اپنے کسی ذاتی استحقاق کا دعویٰ رکھتے تھے۔ اور اس کے لئے انہوں نے سردھڑ کی بازی لگائی؟ کوئی شخص بھی جو امام حسین رض کے گھرانے کی بلند اخلاقی سیرت کو جانتا ہے یہ بدگمانی نہیں کرسکتا کہ یہ لوگ اپنی ذات کے لئے اقتدار حاصل کرنے کی خاطر مسلمانوں میں خونریزی کرسکتے تھے۔ مگر تھوڑی دیر کے لئے ان لوگوں کا نظریہ ہی صحیح مان لیا جائے جن کی رائے میں یہ خاندان حکومت پر اپنے ذاتی استحقاق کا دعویٰ رکھتا تھا تب بھی حضرت ابوبکر رض سے لے کر امیر معاویہ رض تک ۵۰ برس کی پوری تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ حکومت حاصل کرنے کے لئے لڑنا اور کشت و خون کرنا ہرگز ان کا مسلک نہ تھا۔ اس لئے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ امام عالی مقام کی نگاہ میں اس وقت مسلم معاشرے اور اسلامی ریاست کی روح اور اس کے مزاج اور اس کے نظام میں کسی بڑے تغیر کے آثار دکھ رہی تھیں جسے روکنے کی جد و جہد کرنا ان کے لئے ضروری تھا۔ حتیٰ کہ اس راہ میں لڑنے کی نوبت بھی آجائے تو صرف جائز بلکہ فرض سمجھتے تھے۔

ریاست کے مزاج مقصد اور دستور کی تبدیلی:

وہ تغیر کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ لوگوں نے اپنا دین نہیں بدل دیا تھا حکمرانوں سمیت سب لوگ خدا اور رسول صلعم اور قرآن کو اسی طرح مان رہے تھے جس طرح پہلے مانتے تھے۔ مملکت کا قانون بھی نہیں بدلا تھا عدالتوں میں قرآن اور سنت ہی کے مطابق تمام معاملات کے فیصلے بنی امیہ کی حکومت میں بھی ہو رہے تھے جس طرح ان کے برسر اقتدار آنے سے پہلے ہوا کرتے تھے۔ بلکہ قانون میں تغیر تو انیسویں صدی عیسوی سے پہلے دنیا کی مسلم حکومتوں میں سے کسی کے دور میں بھی نہیں ہوا۔ بعض لوگ یزید کے شخصی کردار کو بہت نمایاں کرکے پیش کرتے ہیں جس سے بر عام غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے کہ وہ تغیر جسے روکنے کے لئے امام کھڑے ہوئے تھے۔ بس یہ تھا کہ ایک برسر اقتدار آگیا تھا۔ لیکن یزید کی سیرت و شخصیت کا جو برے سے برا تصور پیش کرنا ممکن ہے اسے جوں کا توں مان لینے کے بعد بھی یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے کہ اگر نظام صحیح بنیادوں پر قائم ہو تو محض ایک برے آدمی کا برسر اقتدار آجانا کوئی ایسی بڑی بات ہو سکتی ہے جس پر امام حسین رض جیسا دانا و زیرک اور علم شریعت میں گہری نظر رکھنے والا شخص بے صبر ہو جائے۔ اس لئے یہ شخصی معاملہ بھی وہ اصلی تغیر نہیں ہے جس نے امام کو بے چین کیا تھا۔ تاریخ کے غائر مطالعے سے جو چیز واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ یزید کی ولی عہدی اور پھر اس کی تخت نشینی سے دراصل جس خرابی کی ابتدا ہو رہی تھی وہ اسلامی ریاست کے دستور اور اس کے مزاج اور اس کے مقصد کی تبدیلی تھی۔ اس تبدیلی کے پورے نتائج اگرچہ اس وقت سامنے نہ آئے تھے۔ لیکن ایک صاحب نظر آدمی گاڑی کا رُخ تبدیل ہوتے ہی جان سکتا ہے کہ اب اس کا راستہ تبدیل ہو رہا ہے اور جس راہ پر مڑ رہی ہے، وہ آخر کار اسے کہاں لے جائے گا۔ یہی رُخ کی تبدیلی تھی۔ جسے امام نے دیکھا۔ اور گاڑی کو پھر سے صحیح پٹڑی پر ڈال دینے کے لئے اپنی جان لڑا دینے کا فیصلہ کیا۔

نقطۂ انحراف:

اس چیز کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لئے ہمیں دیکھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سربراہی میں ریاست کا جو نظام ۔۴ سال تک چلتا رہا تھا۔ اس کے دستور کی بنیادی خصوصیات کیا تھیں اور یزید کی ولیعہدی سے مسلمانوں میں جس دوسرے نظام ریاست کا آغاز ہوا اس کے اندر کیا خصوصیات دولت بنی امیہ و بنی عباس اور بعد کی بادشاہیوں میں ظاہر ہوئیں۔ اسی تقابل سے ہم یہ جان سکتے ہیں کہ یہ گاڑی پہلے کس لائن پر چل رہی تھی۔ اور اس نقطۂ انحراف پر پہونچ کر آگے وہ کس لائن پر چل پڑی اور اسی تقابل سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ فاطمہ رض اور حضرت علی رض کی آغوش میں تربیت پائی تھی۔ اور جس نے صحابہ رض کی بہترین سوسائٹی میں بچپن سے بڑھاپے تک کی منزلیں طے کی تھیں وہ کیوں اس نقطۂ انحراف کے سامنے آتے ہی گاڑی کو اس نئی لائن پر جانے سے روکنے کے لئے کھڑا ہوگیا اور کیوں اس نے اس بات کی بھی پرواہ نہ کی کہ اس زوردار گاڑی کا رُخ موڑنے کے لئے اس کے آگے کھڑے ہو جانے کا کیا نتیجہ ہو سکتا ہے۔

انسانی بادشاہی کا آغاز:

اسلامی ریاست کی اولین خصوصیت یہ تھی کہ اس میں صرف زبان سے ہی یہ نہیں کہا جاتا تھا بلکہ سچے دل سے یہ مانا جاتا تھا اور عملی رویہ سے اس عقیدہ و یقین کا پورا ثبوت دیا جاتا تھا کہ ملک خدا کا ہے باشندے خدا کی رعیت ہیں اور حکومت اس رعیت کے معاملے میں خدا کے سامنے جواب دہ ہے حکومت اس رعیت کی مالک نہیں ہے۔ اور رعیت اسکی غلام نہیں ہے۔ حکمرانوں کا کام سب سے پہلے اپنی گردن میں خدا کی بندگی و غلامی کا قلادہ ڈالنا ہے پھر یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ خدا کی رعیت پر اس کا قانون نافذ کریں۔ لیکن یزید کی ولیعہدی سے جس انسانی بادشاہی کا مسلمانوں میں آغاز ہوا اس میں خدا کی بادشاہی کا تصور صرف زبانی اعتراف تک محدود رہ گیا۔ عملاً اس نے وہی رویہ اختیار کیا جو ہمیشہ سے ہر انسانی بادشاہی کا رہا ہے۔ یعنی ملک بادشاہ اور شاہی خاندان کا ہے اور وہ رعیت کی جان مال آبرو ہر چیز کا مالک ہے۔ خدا کا قانون ان بادشاہتوں میں نافذ ہوا بھی تو صرف عوام پر ہوا۔ بادشاہ اور ان کے خاندان اور امرا اور حکام زیادہ تر اس سے مستثنیٰ ہی رہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تعطل

اسلامی ریاست کا مقصد خدا کی زمین میں ان نیکیوں کو قائم کرنا اور فروغ دینا تھا جو خدا کو محبوب ہیں اور ان برائیوں کو دبانا اور مٹانا تھا جو خدا کو ناپسند ہیں مگر انسانی بادشاہت کا راستہ اختیار کرنے کے بعد حکومت کا مقصد فتح ممالک اور تسخیر علائق اور تحصیل باج و خراج اور عیش دنیا کے سوا کچھ نہ رہا۔ خدا کا نام بلند کرنے کی خدمت بادشاہوں نے کم ہی کبھی انجام دی۔ ان کے ہاتھوں اور انکے امرا و حکام اور درباریوں کے ہاتھوں بھلائیاں کم اور برائیاں بہت زیادہ پھیلیں بھلائیوں کے فروغ اور برائیوں کی روک تھام اور اشاعت دین اور علوم اسلامی کی تحقیق و تدوین کے لئے جن اللہ کے بندوں نے کام کیا انھیں حکومتوں سے مدد ملنی تو درکنار اکثر وہ حکمرانوں کے غضب ہی میں گرفتار رہے۔ اور اپنا کام وہ ان کی مزاحمتوں کے علی الرغم ہی کرتے رہے ان کوششوں کے برعکس حکومتوں اور ان کے حکام و متوسلین کی زندگیوں اور پالیسیوں کے اثرات مسلم معاشرے کو بہم اخلاقی زوال ہی کی طرف لے جاتے رہے۔ حد یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے مفاد کی خاطر اسلام کی اشاعت میں کاوٹیں ڈالنے سے بھی دریغ نہ کیا جس کی بدترین مثال بنوامیہ کی حکومت میں نومسلموں پر جزیہ لگانے کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

اسلامی ریاست کی روح، تقویٰ اور خداترسی اور پرہیزگاری کی روح تھی جس کا سب سے بڑا مظہر خود ریاست کا سربراہ ہوتا تھا حکومت کے عمّال اور قاضی اور سپہ سالار سب اسی روح سے سرشار ہوتے تھے اور پھر اسی روح سے وہ پورے معاشرے کو سرشار کرتے تھے لیکن بادشاہی کی راہ پر پڑتے ہی مسلمانوں کی حکومتوں اور ان کے حکمرانوں نے قیصر و کسریٰ کے سے رنگ ڈھنگ اور ٹھاٹھ باٹھ اختیار کر لئے۔ عدل کی جگہ ظلم و جور کا غلبہ ہوتا چلا گیا۔ پرہیزگاری کی جگہ فسق و فجور اور راگ رنگ اور عیش و عشرت کا دور دورہ شروع ہوگیا۔ حرام و حلال کی تمیز سے حکمرانوں کی سیرت و کردار خالی ہوتی چلی گئی۔ سیاست کا رشتہ اخلاق سے ٹوٹتا چلا گیا۔ خدا سے خود ڈرنے کے بجائے حاکم لوگ بندگان خدا کو اپنے آپ سے ڈرانے لگے۔ اور لوگوں کے ایمان و ضمیر بیدار کرنے کے بجائے ان کو اپنی بخششوں کے لالچ سے خریدنے لگے۔

اسلامی دستور کے بنیادی اصول:

یہ تو تھا روح و مزاج اور مقصد اور نظریے کا تغیر۔ ایسا ہی تغیر اسلامی دستور کے بنیادی اصولوں میں بھی رونما ہوا، اس دستور کے سات اہم ترین اصول تھے۔ جن میں سے ہر ایک کو بدل ڈالا گیا۔

۱۔ آزادانہ انتخاب:

دستور اسلامی کا سنگ بنیاد یہ تھا کہ حکومت لوگوں کی آزادانہ رضامندی سے قائم ہو۔ کوشش سے اقتدار حاصل نہ کرے بلکہ لوگ اپنے مشورے سے بہتر آدمی کو چن کر اقتدار اس کے سپرد کر دیں بیعت اقتدار کا نتیجہ نہ ہو۔ بلکہ اس کا سبب ہو بیعت حاصل ہونے میں آدمی کی اپنی کسی کوشش یا سازش کا دخل نہ ہو، لوگ بیعت کرنے یا نہ کرنے کے معاملے میں پوری طرح آزاد ہوں جب تک کسی شخص کو بیعت حاصل نہ ہو وہ برسر اقتدار نہ آئے۔ اور جب لوگوں کا اعتماد اس پر سے اٹھ جائے تو وہ اقتدار سے چمٹا نہ رہے۔ خلفائے راشدین میں سے ہر ایک اسی قاعدے کے مطابق برسر اقتدار آیا تھا امیر معاویہ رض کے معاملے میں پوزیشن مشتبہ ہوگئی۔ اسی لئے صحابی ہونے کے باوجود ان کا شمار خلفائے راشدین میں نہیں کیا گیا۔ لیکن آخر کار یزید کی ولیعہدی وہ انقلابی کارروائی ثابت ہوئی جس نے اس قاعدے کو الٹ کر رکھ دیا اس سے خاندانوں کی موروثی بادشاہتوں کا وہ سلسلہ شروع ہوا جس کے بعد سے آج تک پھر مسلمانوں کو انتخابی خلافت کی طرف پلٹنا نصیب نہ ہو سکا۔ اب لوگ مسلمانوں کی آزادانہ اور کھلے مشورے سے نہیں بلکہ طاقت سے برسر اقتدار آنے لگے۔ اب بیعت سے اقتدار حاصل ہونے کے بجائے اقتدار سے بیعت حاصل کی جانے لگی۔ اب بیعت کرنے یا نہ کرنے میں لوگ آزاد نہ رہے اور بیعت کا حاصل ہونا اقتدار پر قائم رہنے کے لئے شرط نہ رہا لوگوں کی اول تو مجال نہ تھی کہ جس کے ہاتھ میں اقتدار تھا اس کی بیعت نہ کرتے لیکن اگر وہ بیعت بھی نہ کرتے تو جس کے ہاتھ میں اقتدار آگیا تھا وہ ہٹنے والا نہ تھا۔ اسی جبری بیعت کو کالعدم قرار دینے کا قصور جب منصور عباسی کے زمانے میں امام مالک رح سے سرزد ہوا تو ان کی پیٹھ پر کوڑے برسائے گئے اور انکے ہاتھ شانوں سے اکھیڑ دیئے گئے۔

۲۔ شورائی نظام:

دوسرا اہم ترین قاعدہ اس دستور کا یہ تھا کہ حکومت مشورے سے کی جائے۔ اور مشورہ ان لوگوں سے کیا جائے جن کے علم تقویٰ اور اصابت رائے پر عام لوگوں کو اعتماد ہو۔ خلفائے راشدین رض کے عہد میں جو لوگ شوریٰ کے رکن بنائے گئے اگرچہ ان کو انتخاب عام کے ذریعے منتخب نہیں کرایا گیا تھا۔ جدید زمانے کے تصور کے لحاظ سے وہ نامزد کردہ لوگ ہی تھے، لیکن خلفاء نے یہ دیکھ کر ان کو مشیر نہیں بنایا تھا کہ یہ ہماری ہاں میں ہاں ملانے اور ہمارے مفاد کی خدمت کرنے کے لئے موزوں ترین لوگ ہیں۔ بلکہ انہوں نے پورے خلوص اور بے غرضی کے ساتھ قوم کے بہترین عناصر کو چنا تھا جن سے وہ حق گوئی کے سوا کسی چیز کی توقع نہ رکھتے تھے جن سے یہ امید تھی کہ وہ ہر معاملے میں اپنے علم و ضمیر کے مطابق بالکل صحیح ایماندارانہ رائے دیں گے جن سے کوئی شخص بھی یہ اندیشہ نہ رکھتا تھا کہ وہ حکومت کو کسی غلط راہ پر جانے دیں گے۔ اگر اس وقت ملک میں آجکل کے طریقے کے مطابق انتخابات بھی ہوتے تو عام مسلمان انہی لوگوں کو اپنے اعتماد کا مستحق قرار دیتے۔ لیکن شاہی دور کا آغاز ہوتے ہی شوریٰ کا یہ طریقہ بدل گیا۔ اب بادشاہ استبداد اور مطلق العنانی کے ساتھ حکومت کرنے لگے۔ اب شاہزادے اور خوشامدی اہل دربار اور صوبوں کے گورنر اور فوجوں کے سپہ سالار ان کی کونسل کے ممبر تھے۔ اب وہ لوگ ان کے مشیر تھے جن کے معاملے میں اگر قوم کی رائے لی جاتی تو اعتماد کے ایک ووٹ کے مقابلے میں لعنت کے ہزار ووٹ آتے اور اس کے برعکس وہ حق شناس و حق گو اہل علم و تقویٰ جن پر قوم کو اعتماد تھا وہ بادشاہوں کی نگاہ میں کسی اعتماد کے مستحق نہ تھے بلکہ الٹے معتوب یا کم از کم مشتبہ تھے۔

۳۔ اظہار رائے کی آزادی:

اس دستور کا تیسرا اصول یہ تھا کہ لوگوں کو اظہار رائے کی پوری آزادی ہو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اسلام نے ہر مسلمان کا حق ہی نہیں بلکہ فرض قرار دیا تھا اسلامی معاشرے اور ریاست کے صحیح راستہ پر چلنے کا انحصار اس بات پر تھا کہ لوگوں کے ضمیر اور ان کی زبانیں آزاد ہوں وہ ہر غلط کام پر بڑے سے بڑے آدمی کو ٹوک سکیں اور حق بات برملا کہہ سکیں خلافت راشدہ میں صرف یہی نہیں کہ لوگوں کا حق پوری طرح محفوظ تھا بلکہ خلفائے راشدین اسے ان کا فرض سمجھتے تھے اور اس فرض کے ادا کرنے میں ان کی ہمت افزائی کرتے تھے۔ ان کی مجلس شوریٰ کے ممبروں ہی کو نہیں قوم کے ہر شخص کو بولنے اور ٹوکنے اور خود خلیفہ سے باز پرس کرنے کی مکمل آزادی تھی جس کے استعمال پر لوگ ڈانٹ اور دھمکی سے نہیں بلکہ داد اور تعریف سے نوازے جاتے تھے۔ یہ آزادی ان کی طرف سے کوئی عطیہ اور بخشش نہ تھی جس کے لئے وہ قوم پر اپنا احسان جتاتے بلکہ یہ اسلام کا عطا کردہ ایک دستوری حق تھا جس کا احترام کرنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے اور اسے بھلائی کے لئے استعمال کرنا ہر مسلمان پر خدا اور رسول صلعم کا عائد کردہ ایک فریضہ تھا۔ جس کی ادائیگی کے لئے معاشرے اور ریاست کی فضا کو ہر وقت ساز گار رکھنا ان کی نگاہ میں فرائض خلافت کا ایک اہم جزء تھا لیکن بادشاہی دور کا آغاز ہوتے ہی ضمیروں پر قفل چڑھا دیے گئے۔ اور منہ بند کر دیے گئے اب قاعدہ یہ ہو گیا کہ زبان کھولو تو تعریف میں کھولو ورنہ چپ رہو، اور اگر تمہارا ضمیر ایسا زور آور ہے کہ حق گوئی سے تم باز نہیں رہ سکتے تو قید یا قتل کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یہ پالیسی رفتہ رفتہ مسلمانوں کو پست ہمت، بزدل اور مصلحت پرست بناتی چلی گئی۔ خطرہ مول لے کر سچی بات کہنے والے ان کے اندر کم سے کم ہوتے چلے گئے۔ خوشامد اور چاپلوسی کی قیمت مارکیٹ میں چڑھتی اور حق پرستی و راست بازی کی قیمت گرتی چلی گئی۔ اعلیٰ قابلیت رکھنے والے ایماندار اور آزاد خیال لوگ حکومت سے بے تعلق ہو گئے اور عوام کا یہ حال ہو گیا کہ کسی شاہی خاندان کی حکومت برقرار رکھنے کے لئے ان کے دلوں میں کوئی جذبہ باقی نہ رہا۔ ایک کو ہٹانے کے لئے جب دوسرا آیا تو انہوں نے مدافعت میں انگلی تک نہ ہلائی اور گرنے والا جب گرا تو انہوں نے ایک لات اور رسید کرکے اسے زیادہ گہرے گڑھے میں پھینکا۔ حکومتیں جاتی اور آتی رہیں مگر دلوں نے تماشائی سے بڑھ کر اس آمد و رفت کے منظر سے کوئی دلچسپی نہ لی۔

خدا اور خلق کے سامنے جوابدہی:

چوتھا اصول جو اس تیسرے اصول کے ساتھ لازماً تعلق رکھتا ہے یہ تھا کہ خلیفہ اور اس کی حکومت خدا اور خلق دونوں کے سامنے جوابدہ ہے۔ جہاں تک خدا کے سامنے جوابدہی کا تعلق ہے اس کے شدید احساس سے خلفائے راشدین رض پر دن کا چین اور رات کا آرام حرام ہو گیا تھا اور جہاں تک خلق کے سامنے جوابدہی کا تعلق ہے وہ ہر وقت ہر جگہ اپنے آپ کو عوام کے سامنے جوابدہ سمجھتے تھے ان کی حکومت کا یہ اصول نہ تھا کہ صرف مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) میں نوٹس دیکر ہی ان سے سوال کیا جا سکتا ہے، وہ ہر روز پانچ مرتبہ نماز کی جماعت میں اپنے عوام کا سامنا کرتے تھے وہ ہر ہفتے جمعہ کی جماعت میں عوام کے سامنے اپنی کہتے اور انکی سنتے تھے وہ شب و روز بازاروں میں کسی باڈی گارڈ کے بغیر بٹو بچو کی آواز کے بغیر عوام کے درمیان چلتے پھرتے تھے۔ انکے گورنمنٹ ہاؤس (یعنی انکے کچے مکان) کا دروازہ ہر شخص کے لئے کھلا تھا اور ہر ایک ان سے مل سکتا تھا۔ ان سب مواقع پر ہر شخص ان سے سوال کر سکتا تھا اور جواب طلب کر سکتا تھا۔ یہ محدود جواب دہی نہ تھی بلکہ کھلی اور ہمہ وقتی جوابدہی تھی یہ نامزدوں کے واسطے نہ تھی، بلکہ پوری قوم کے سامنے براہ راست تھی۔ وہ عوام کی مرضی سے برسر اقتدار آئے تھے۔ اور عوام کی مرضی انھیں ہٹا کر دوسرا خلیفہ ہر وقت لا سکتی تھی اس لئے نہ تو انھیں عوام کا سامنا کرنے میں کوئی خطرہ محسوس ہوتا تھا اور نہ اقتدار سے محروم ہونا ان کی نگاہ میں کوئی خطرہ تھا کہ وہ اس سے بچنے کی کبھی

فکر کرتے لیکن بادشاہی دور کے آتے ہی جوابدہ حکومت کا تصور ختم ہوگیا۔ خدا کے سامنے جوابدہی کا خیال چاہے زبانوں پر رہ گیا ہو مگر عمل میں اس کے آثار کم ہی نظر آتے ہیں۔ رہی خلق کے سامنے جوابدہی تو کون مائی کا لال تھا جو ان سے جواب طلب کرسکتا وہ اپنی قوم کے فاتح تھے مفتوحوں کے سامنے کون فاتح جوابدہ ہوتا ہے۔ وہ طاقت سے برسر اقتدار آئے تھے اور ان کا نعرہ یہ تھا کہ جس میں طاقت ہو وہ ہم سے اقتدار چھین لے۔ ایسے لوگ عوام کا سامنا کب کیا کرتے ہیں اور عوام ان کے قریب کہاں پھٹک سکتے تھے وہ نماز بھی پڑھتے تھے تو نعرے کے ساتھ نہیں بلکہ کی محفوظ مسجدوں میں یا باہر اپنے نہایت قابل اعتماد محافظوں کے جھرمٹ میں ان کی سواریاں نکلتی تھیں تو آگے اور پیچھے مسلح ہوتے تھے اور راستے صاف کردئے جاتے تھے عوام کی اور ان کی مڈبھیڑ کسی جگہ ہوتی ہی نہ تھی۔

۵۔ بیت المال، ایک امانت:

پانچواں اصول اسلامی دستور کا یہ تھا کہ بیت المال خدا کا مال اور مسلمانوں کی امانت ہے جس میں کوئی چیز حق کی راہ کے سوا کسی دوسری راہ سے آنی نہ چاہئے اور جس میں کوئی چیز حق کے سوا کسی دوسری راہ میں جانی نہ چاہئے۔ خلیفہ کا حق اس مال میں اتنا ہی ہے جتنا قرآن کی رو سے مال یتیم میں اس کے ولی کا ہوتا ہے کہ من کان غنیا فلیستعفف ومن کان فقیرا فلیاکل بالمعروف۔ (جو اپنے ذاتی ذرائع آمدنی اپنی ضرورت بھر رکھتا ہے وہ اس مال سے تنخواہ لیتے ہوئے شرم کرے اور جو واقعی حاجتمند ہو وہ اتنی تنخواہ لے جسے ہر معقول آدمی بنی برانصاف مانے) خلیفہ اس کی ایک ایک پائی کے آمد و خرچ پر حساب دینے کا ذمہ دار ہے۔ اور مسلمانوں کو اس سے حساب مانگنے کا پورا حق ہے۔

خلفائے راشدین نے اس اصول کو بھی کمال درجہ دیانت اور حق شناسی کے ساتھ برت کر دکھایا۔ ان کے خزانے میں جو کچھ بھی آتا تھا ٹھیک ٹھیک اسلامی قانون کے مطابق آتا تھا اور اس میں سے جو کچھ خرچ ہوتا تھا بالکل جائز راستوں میں ہوتا تھا۔ ان میں سے جو غنی تھا اس نے ایک حبہ اپنی ذات کے لئے تنخواہ کے طور پر وصول کئے بغیر مفت خدمت انجام دی بلکہ اپنی گرہ سے قوم کے لئے خرچ کرنے میں دریغ نہ کیا اور جو تنخواہ کے بغیر ہمہ وقتی خدمت گار نہ بن سکتے تھے انہوں نے اپنی ضروریات زندگی کے لئے اتنی تنخواہ کم لی ہر معقول آدمی اس انصاف سے کم ہی مانے گا۔ زیادہ کہنے کی جرأت ان کا دشمن بھی نہیں کرسکتا۔ پھر اس خزانے کی آمد و خرچ کا حساب ہر وقت ہر شخص مانگ سکتا تھا اور وہ ہر وقت ہر شخص کے سامنے حساب دینے کے لئے تیار تھے انہیں ایک عام آدمی بھرے مجمع میں پوچھ سکتا تھا کہ خزانے میں یمن سے جو چادریں آئی ہیں ان کا طول و عرض تو اتنا نہ تھا کہ جناب کا یہ لمبا کرتہ بن سکے یہ زائد کپڑا آپ کہاں سے لائے ہیں؟ مگر جب خلافت بادشاہت میں تبدیل ہوئی تو خزانہ خدا اور مسلمانوں کا نہیں بلکہ بادشاہ کا مال تھا، ہر جائز و ناجائز راستے سے دولت آتی تھی اور ہر جائز و ناجائز راستے میں بے غل و غش صرف ہوتی تھی۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کے حساب کا سوال اٹھا سکے سارا ملک ایک خوان یغما تھا جس پر ایک ہرکارے سے لیکر سربراہ مملکت تک حکومت کے سارے کل پرزے حسب توفیق ہاتھ مار رہے تھے اور ذہنوں سے یہ تصور ہی نکل گیا تھا کہ اقتدار کوئی پروانۂ اباحت نہیں ہے جس کی بدولت یہ لوٹ مار ان کے لئے حلال ہو اور پبلک کا مال کوئی شیر مادر نہیں ہے جسے وہ ہضم کرتے رہیں۔ اور کسی کے سامنے انہیں اس کا حساب دینا نہ ہو۔

۶۔ قانون کی حکومت:

چھٹا اصول اس دستور کا یہ تھا کہ ملک میں قانون (یعنی خدا اور رسول کے قانون) کی حکومت ہونی چاہئے کسی کو قانون سے بالاتر نہ ہونا چاہئے۔ کسی کو قانون کے حدود سے باہر جاکر کام کرنے کا حق نہ ہونا چاہئے ایک عامی سے لے کر سربراہ مملکت تک سب کے لئے ایک ہی قانون ہونا چاہئے اور سب پر اسے بے لاگ طریقے سے نافذ ہونا چاہئے انصاف کے معاملے میں کسی کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہ ہونا چاہئے۔ اور عدالتوں کو انصاف کرنے کے لئے ہر دباؤ سے بالکل آزاد ہونا چاہئے۔ خلفائے راشدین نے اس اصول کی پیروی کا بھی بہترین نمونہ پیش کیا تھا، بادشاہوں سے بڑھ کر اقتدار رکھنے کے باوجود وہ قانون الٰہی کی بندشوں میں جکڑے ہوئے تھے نہ ان کی دوستی اور رشتہ داری قانون کی حد سے نکل کر کسی کو کچھ نفع پہونچا سکتی تھی اور نہ ان کی ناراضگی کسی کو قانون کے خلاف کوئی نقصان پہونچا سکتی تھی۔ کوئی ان کے اپنے حق پر بھی دست درازی کرتا تو وہ ایک عام آدمی کی طرح عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتے تھے اور کسی کو ان کے خلاف شکایت ہوتی تو وہ استغاثہ کرکے انہیں عدالت میں کھینچ لا سکتا تھا۔ اسی طرح انہوں نے اپنی حکومت کے گورنروں اور سپہ سالاروں کو بھی قانون کی گرفت میں کس رکھا تھا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ عدالت کے کام میں کسی قاضی پر اثر انداز ہونے کا خیال بھی کرتا۔ کسی کا یہ مرتبہ نہ تھا کہ قانون کی حد سے قدم باہر نکال کر مواخذہ سے بچ جاتا۔ لیکن خلافت سے بادشاہی کی طرف انتقال ہوتے ہی اس قاعدے کے بھی چیتھڑے اڑ گئے، اب بادشاہ اور شہزادے اور امراء اور حکام اور سپہ سالار ہی نہیں شاہی محلات کے منہ چڑھے لونڈی غلام تک قانون سے بالاتر ہو گئے۔ لوگوں کی گردنیں اور پیٹھیں اور مال اور آبروئیں، سب ان کے لئے مباح ہوگئیں۔ انصاف کے دو معیار بن گئے، ایک کمزور کے لئے دوسرا طاقتور کے لئے مقدمات میں عدالتوں پر دباؤ ڈالے جانے لگے اور بے لاگ انصاف کرنے والے قاضیوں کی شامت آنے لگی حتیٰ کہ خدا ترس فقہاء نے عدالت کی کرسی پر بیٹھنے کی بجائے کوڑے کھانا اور قید ہو جانا زیادہ قابل ترجیح سمجھا تاکہ وہ ظلم و جور کے آلۂ کار بن کر خدا کے عذاب کے مستحق نہ بنیں۔

۷۔ حقوق اور مراتب کے لحاظ سے کامل مساوات:

مسلمانوں میں حقوق اور مراتب کے لحاظ سے کامل مساوات اسلامی دستور کا ساتواں اصول تھا جسے ابتدائی اسلامی ریاست میں پوری قوت کے ساتھ قائم کیا گیا تھا۔ مسلمانوں کے درمیان نسل، وطن، زبان وغیرہ کا کوئی امتیاز نہ تھا قبیلے اور خاندان اور حسب اور نسب کے لحاظ سے کسی کو کسی پر فضیلت نہ تھی خدا اور رسول کے ماننے والے سب لوگوں کے حقوق یکساں تھے۔ اور سب کی حیثیت برابر تھی۔ ایک کو دوسرے پر ترجیح اگر تھی تو سیرت و کردار اور اہلیت و صلاحیت اور خدمات کے لحاظ سے تھی۔ لیکن خلافت کی جگہ جب بادشاہی نظام آیا تو عصبیت کے شیاطین ہر گوشے سے سر اٹھانے لگے۔ شاہی خاندان اور ان کے حامی خانوادوں کا مرتبہ سب سے بلند و برتر ہو گیا ان کے قبیلوں کو دوسرے قبیلوں پر ترجیحی حقوق حاصل ہو گئے، عربی اور عجمی کے تعصبات جاگ اٹھے اور خود عربوں میں قبیلے اور قبیلے کے درمیان کشمکش پیدا ہو گئی۔ ملت اسلامیہ کو اس چیز نے جو نقصان پہونچایا اس پر تاریخ کے اوراق گواہ ہیں۔

حضرت امام حسینؓ کا مومنانہ کردار:

یہ تھے وہ تغیرات جو اسلامی خلافت کو خاندانی بادشاہت میں تبدیل کرنے سے رونما ہوئے۔ کوئی شخص اس تاریخی حقیقت کا انکار نہیں کرسکتا کہ یزید کی ولیعہدی ان تغیرات کا نقطۂ آغاز تھی۔ اور بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ اس نقطے سے چل کر تھوڑی ہی مدت کے اندر ہی بادشاہی نظام میں وہ سب خرابیاں نمایاں ہوگئیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں۔ جس وقت یہ انقلابی قدم اٹھایا گیا تھا اس وقت یہ خرابیاں اگرچہ بہ تمام و کمال سامنے نہ آئی تھیں مگر ہر صاحب بصیرت آدمی جان سکتا تھا کہ اس اقدام کے لازمی نتائج یہی کچھ ہیں۔ اور اس سے ان اصلاحات پر پانی پھر جانے والا ہے جو اسلام نے سیاست و ریاست کے نظام میں کی ہیں۔ اسی لئے امام حسینؓ اس پر صبر نہ کر سکے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ جو بدتر سے بدتر نتائج بھی انھیں ایک مضبوط جمی جمائی حکومت کے خلاف اٹھنے میں بھگتنے پڑیں، ان کا خطرہ مول لیکر بھی انھیں اس انقلاب کو روکنے میں کوشش کرنی چاہئے۔ اس کوشش کا جو انجام ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔ مگر امام نے اس عظیم خطرے میں کود کر اور مردانہ وار اس کے نتائج کو انگیز کر کے جو بات ثابت کی وہ یہ تھی کہ:

اسلامی ریاست کی بنیادی خصوصیات امت مسلمہ کا وہ بیش قیمت سرمایہ ہیں۔ جسے بچانے کے لئے ایک مومن اپنا سر بھی دیدے اور اپنے بال بچوں کو بھی کٹوا بیٹھے تو اس مقصد کے مقابلے میں یہ کوئی مہنگا سودا نہیں ہے اور ان خصوصیات کے مقابلے میں وہ دوسرے تغیرات جنہیں اوپر نمبروار گنایا گیا ہے۔ دین اور ملت کے لئے وہ آفت عظمیٰ ہیں جسے روکنے کیلئے ایک مومن کو اپنا سب کچھ قربان کردینا پڑے تو اس میں دریغ نہ کرنا چاہئے۔ حسینؓ ابن علیؓ کی نگاہ میں یہ سراسر ایک دینی کام تھا۔ اسی لئے انھوں نے اس کام میں جان دینے کو شہادت سمجھ کر جان دی۔

ندوۃ العلماء کا دوسرا اجلاس

منعقدہ اپریل ۱۸۹۵ء

منزل بمنزل

ندوۃ العلماء

قسط نمبر ۲

دوسرا سالانہ اجلاس:

ندوۃ العلماء کا دوسرا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا جس شہر کو مستقبل میں ندوۃ العلماء اور اس کے قائم کردہ دار العلوم کا مرکز ہونا مقدر تھا۔ اس اجلاس کے محرک منشی اطہر علی صاحب کاکوروی وکیل لکھنؤ و ممبر قانونی انجمن تعلقداران اودھ تھے۔ اجلاس ندوۃ العلماء کے لکھنؤ میں انعقاد اور منشی اطہر علی صاحب کی اس سلسلہ میں کوشش و سرگرمی کا محرک خود منشی صاحب کے الفاظ میں تھا وہ کہتے ہیں:۔

"یکبارگی منجانب اللہ اس جلسے کی عظمت اور عمدگی میرے قلب میں آئی اور خیال ہوا کہ یہ جنبش معمولی نہیں ہے اور اس خیال میں ایسا جوش ہوا کہ اسی وقت میں نے اسکی ذمہ داری کا خط لکھا"

یہ خط ۲۲ر جنوری ۱۸۹۵ء کا لکھا ہوا ۲۴ر جنوری ۱۸۹۵ء مطابق ۲۷ر رجب ۱۳۱۲ھ کو دفتر ندوۃ العلماء میں موصول ہوا جس میں موصوف لکھتے ہیں:۔

"میری خواہش کہ جلسہ ندوۃ العلماء کی خدمت گذاری کا فخر لکھنؤ میں مجھ کو عطا کیا جائے۔ میں اپنے مہمانوں کی فکر قیام اور تناول ماحضر کی کر لوں گا، ہاں آپ لوگوں کی اور دیگر دوستوں کی صرف اعانت کا شکر گذار ہوں گا۔ مجھ کو امید ہے کہ آپ اور دیگر حضرات میری اس ناچیز خواہش کو پورا کر کے جواب سے مطلع فرمائیں گے"

نظم و شائستگی کا عجیب مظاہرہ: ندوۃ العلماء کے اجلاس اپنے نظم و شائستگی، سنجیدگی اور افادیت میں ایسے مثالی اجلاس ہوتے تھے کہ جن کی نظیر اس دور میں ہمیں کسی تحریک اور جماعت کے جلسوں میں نظر نہیں آتی، ان جلسوں میں نشر و اشاعت اور پبلسٹی کے ایسے موثر اور up to date ذرائع استعمال ہوتے تھے کہ آج کی متمدن سوسائٹی میں بھی اس قدر اہتمام اور جزئیات کا خیال شاذ و نادر ہی ہوتا ہو۔ ندوۃ العلماء کے اجلاس دوم کی روداد صفحہ ۱۹ پر ایک نقشہ درج ہے، اس سے ندوۃ العلماء کے نشر و اشاعت کے طریقے اور اس کے کارکنوں کی تنظیمی صلاحیت کا حیرت انگیز انکشاف ہوتا ہے۔

نقشہ اشاعت اشتہارات جلسہ سال دوم ندوۃ العلماء بمقام لکھنؤ

نمبر شمار	نام اشتہار	تعداد طبع	تاریخ اشاعت	کیفیت
۱	اشتہار عام بار اول	۴۸۰۰	۱۲ر شعبان ۱۳۱۲ھ	اس اشتہار میں یقینی تاریخ کی اطلاع اور مضامین بھیجنے کا قاعدہ بیان کیا گیا تھا۔
۲	خطوط دعوت	۱۲۰۰	۲۴ر شعبان ۱۳۱۲ھ	یہ خط مہتممین مدارس و انجمہائے اسلامیہ کے واسطے تھا اور بضرورت عام شائع بھی ہوا۔
۳	خطوط بنام ایڈیٹران	۱۵۰	"	اس میں مخصوص ایڈیٹران اخبار کو دعوت کے علاوہ مضمون برائے اعلان دیا گیا تھا۔
۴	نقشہ برائے دریافت حالی انجمنان و مدارس اسلامیہ	۱۰۰۰	۲۴ر شعبان ۱۳۱۲ھ	اس نقشہ سے آمد و خرچ و دیگر کیفیات مدارس و انجمہائے اسلامیہ کے دریافت کئے گئے۔
۵	خطوط بنام اراکین	۳۰۰	۲ر رمضان ۱۳۱۲ھ	انہیں مخصوص ممبران کو تاریخ جلسہ کی اطلاع دی گئی۔
۶	خطوط دعوت بنام علماء	۲۴۰	۲۰ر رمضان ۱۳۱۲ھ	یہ خط دعوتی بزبان فارسی مخصوص علماء کی خدمت میں بھیجا گیا۔
۷	خطوط دعوت بنام رؤساء	۲۴۰	" "	یہ خط مخصوص رؤسا کو بھیجا گیا۔
۸	کارڈ جوابی	۱۰۰	۱۴ر رمضان ۱۳۱۲ھ	یہ کارڈ جوابی مخصوص مہتممین مدارس و انجمن کے پاس بھیجے گئے۔
۹	اشتہار بار دوم	۶۰۰	۸ر شوال ۱۳۱۲ھ	اس اشتہار میں یقینی تاریخ کے علاوہ قواعد جلسہ کا اظہار کیا گیا تھا۔
۱۰	کارروائی جلسہ انتظامیہ	۶۰۰	" "	اس میں اس جلسہ کی کارروائی کا اعلان کیا گیا تھا جو عام جلسے کے انتظام و انتخاب جماعات کے لئے منعقد کیا گیا تھا۔
۱۱	اشتہار کلاں	۱۵۰	" "	یہ اشتہار خاص لکھنؤ و اطراف میں بغرض اطلاع عام شاہراہوں پر چسپاں کیا گیا۔

اب ایک نظر ان کمیٹیوں کے نام پر ڈالئے جن کے سپرد اجلاس کے مختلف انتظامات تھے۔

جماعت مدارات:۔ اس کا کام مہمانوں کا استقبال اور ان کے لئے مکانات و فرش، پلنگ و ضروری سامان کی فراہمی اور شب و روز ان کی ضروریات کا خیال تھا۔

جماعت پخت طعام، جماعت خورانیدن طعام، جماعت انتظام جلسہ،

جماعت اراکین دار التفریح: اس کے متعلق یہ کام تھا کہ ایک مکان کو عمدہ آراستہ کرے، اور اس میں عربی فارسی کی نادر کتابیں اور اردو کی دلچسپ کتابیں اور مختلف زبانوں کے اخبارات عوام کے مذاق کے لئے مہیا رکھے تاکہ معزز مہمانوں کا بیش بہا وقت ضائع نہ ہو، کاغذ، قلم، دوات، لفافہ، کارڈ، ٹکٹ وغیرہ بھی موجود رکھے تاکہ مہمانوں کو دور جانے کی تکلیف نہ ہو۔

جماعت اراکین حفظ صحت: اس جماعت میں مشہور و تجربہ کار ڈاکٹر تھے۔

شرکاء جلسہ کے لئے، چار قسم کے ٹکٹ مختلف رنگوں کے تجویز کئے گئے تھے، ایک علماء کے لئے، دوسرا اراکین کے لئے، تیسرا مہمانوں کے لئے، چوتھا معززین شہر کے لئے۔

آج سے ۸۳ سال قبل ندوۃ العلماء کے اجلاس کے نظم و انتظام کا ایسا اعلیٰ نمونہ ہمیں مسلمانوں یا غیر مسلموں کی کسی سیاسی، تعلیمی اور سماجی جماعت کے جلسوں میں نہیں ملتا، علماء حق پر اسلامی شان و شوکت اور سطوت و حکومت کے زوال کے بعد بدنظمی، زمانہ سے بیخبری، تاریکی خیالی

اور کاہلی کا الزام اپنوں نے اور غیروں نے لگایا، انہوں نے ندوۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے زرف اپنی ذہنی و فکری بلندی، وسیع النظری، حالات سے بے خبری اور بصیرت کا ثبوت دیا بلکہ نظم و انتظام کا بھی وہ نمونہ پیش کیا کہ جس سے زائد کوئی دوسرا طبقہ آج تک نہیں پیش کر سکا۔ ندوۃ العلماء کے تمام اجلاس حسن انتظام کا ایسا نمونہ ہوتے تھے کہ جس سے آگے ذہن اس دور ترقی میں بھی نہیں جاتا۔

جلسہ گاہ: ندوۃ العلماء کا اجلاس دوم ۱۶، ۱۷، ۱۸؍شوال ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۲، ۱۳، ۱۴؍اپریل ۱۸۹۵ء، جمعہ، شنبہ، یکشنبہ کو بارہ دری قیصر باغ میں منعقد ہوا۔ قیصر باغ کی بارہ دری اور اس کے جنوب کی جانب کا میدان جہاں موسم کے لحاظ سے فرش زمردیں عجیب لطف دیتا تھا۔ ندوے کی کارروائی سفید بارہ دری میں ہوتی تھی اور وسیع میدان میں شامیانوں کے نیچے عام مسلمانوں کے نفع کی غرض سے علماء کا وعظ ہوتا تھا۔ قیصر باغ کے اطراف کے مکانات مہمانوں کی قیامگاہ تھے، قدرت کی نیرنگیاں عجیب و غریب ہوتی ہیں، وہ مکانات جو دنیا کے عیش و عشرت کے لئے بنائے گئے تھے وہاں حضرات علماء اور بزرگ مشائخ قیام پذیر ہوں۔ وہ بارہ دری جو مدت سے دنیاوی کاموں میں آتی تھی اس میں اسلام کی ترقی اور مسلمانوں کی بہبودی کے لئے علماء وعظ کہیں اور حضرات مشائخ اور دیگر معززین اہل اسلام اس میں صلاح و فلاح کی تدبیریں سوچیں ؎

ہست دور آسماں گاہے چنیں گاہے چناں

بارہ دری میں نشست کا انتظام اس طرح کیا گیا تھا کہ اس کے بیچ کے کمرے میں علماء اور اراکین ندوہ کے لئے اس طرح مخصوص کیا گیا تھا کہ مغرب کی جانب ایک حد تک تخت بچھا کر اس پر کرسیاں بچھائی گئی تھیں یہ کرسیاں علماء کے لئے مخصوص تھیں۔ سامنے ایک بڑی بیضاوی میز تھی جس کے گرد اراکین انتظامی ندوۃ العلماء کی کرسیاں تھیں اور ان تختوں کے نیچے جنوب اور شمال کی طرف اخباری نامہ نگاروں کے لئے نشست رکھی گئی تھی، اس کے سامنے مشرق کی طرف عام اراکین کی نشست تھی، ایک طرف عام اہل اسلام کے لئے جگہ معین تھی، بارہ دری کے اندرونی دروازے پر خوشخط نسخ میں یہ آیت آویزاں تھی: "سلام علیکم طبتم فادخلوھا"، بیرونی دروازے پر ایک طرف بقلم جلی یہ آیت کپڑے پر لکھی ہوئی بشارت دے رہی تھی: "الا ان حزب اللہ ھم المفلحون" دوسری طرف دس گز طولاً اور ۲½ گز عرضاً کپڑے پر خوشخط لکھا ہوا تھا "جلسہ ندوۃ العلماء" اسے خط نسخ میں مولانا عبد العلی آسی مدراسی نے تحریر فرمایا تھا اور نستعلیق منشی شمس الدین اعجاز رقم نے رقم کیا تھا۔

پہلی نشست: ۱۶؍شوال ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۲؍اپریل ۱۸۹۵ء بروز جمعہ صبح ۶ بجے پہلی نشست شروع ہوئی، پہلے یہ تجویز تھی کہ مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محلی صدارت فرمائیں مگر آپ نے اپنے ضعف اور گوشہ نشینی کا عذر فرمایا لہذا ناظم ندوۃ العلماء کی تحریک اور مولانا عبد الحق صاحب دہلوی کی تائید سے مولانا سید محمد شاہ صاحب محدث رامپوری صدر جلسہ منتخب ہوئے۔ مولانا عبد المجید صاحب فرنگی محلی نے آیات قرآن مجید کی عمدہ لہجے میں تلاوت کی، بعد سال گذشتہ کی رپورٹ ناظم ندوۃ العلماء مولانا مونگیری کی طرف سے مولانا شبلی نعمانی نے پڑھ کر سنائی جس میں ان الفاظ میں سال گذشتہ کا جائزہ لیا گیا تھا:

"اصلاح نصاب کی تجویز کے متعلق قرار پایا تھا کہ علمائے حاضرین میں سے چند علماء کی مجلس قائم کی جائے جو غور و فکر کر کے دیگر علماء کے مشورے سے جدید نصاب تجویز کرے، اس مجلس کے جملہ ۱۶ ارکان تھے، اگرچہ یہ کام نہایت مفید اور اہم تھا لیکن چونکہ فی زمانہ بالکل نیا کام تھا اور کتابوں کے انتخاب اور ترمیم میں مختلف اور متعدد مشکلات تھے اور کتابوں کے دقائق و مضامین مفید اور غیر مفیدہ پر کامل غور و امعان نظر کے لئے زیادہ وقت و زمانہ کی ضرورت تھی لہذا اس تجویز میں پوری کامیابی نہیں ہوئی، البتہ اس قدر ہوا کہ بعض علماء نے مفصل اور بعض نے مجمل نقائص تعلیم اور وجوہ ترمیم لکھے اور بعض نے صرف کتابوں کے نام انتخاب کر کے بھیجے، مولانا حافظ شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی نے اپنی کامل لیاقت کی داد دی اور ایک خاص رسالہ اس باب میں لکھا۔ اسی طرح مولانا عبد العلی آسی صاحب مدراسی نے بہت تفصیل سے رائے دی حقیقت یہ ہے کہ جو نصاب دو سو برس سے معمول بہ ہو اس کی ترمیم و اصلاح ایک برس کا کام نہیں تاہم اس امر کے بیان کرنے سے مجھ کو خوشی ہے کہ اس تحریک سے اکثر علمائے ہندوستان کا خیال اصلاح نصاب کی طرف مائل ہو گیا ہے اور اس امر کو کہ نصاب موجودہ میں فن ادب اور تفسیر کے متعلق نہایت کمی ہے اور جدید علم کلام کی ضرورت ہے اکثر تسلیم کرتے ہیں۔

تجویز دوم یہ تھی کہ مدارس اسلامیہ کے مہتمم ہر سال ندوۃ العلماء کے اجلاس میں تشریف لائیں اس تجویز کی انجام دہی مولوی نور الدین صاحب، حافظ محمد عبد الحق اور منشی سید محمد حسین صاحب رئیس بھڑونچ نے مستعدی سے انجام دی، بہت سے مدارس نے اس تجویز کو منظور کر لیا اور بطیب خاطر ندوۃ العلماء کی ماتحتی منظور فرمائی۔

تجویز سوم یہ تھی کہ مدارس اسلامیہ کو مربوط کیا جائے اور دو تین بڑے بڑے مدرسے مثلاً مدرسہ اسلامیہ دیوبند، مدرسہ فیض عام کانپور، مدرسہ احمدیہ آرہ وغیرہ دار العلوم قرار دئے جائیں اور تمام چھوٹے مدارس ان سے متعلق کئے جائیں۔ یہ تجویز اگرچہ نہایت مفید اور ضروری تھی لیکن چونکہ ہندوستان میں یہ طریقہ کبھی مروج نہیں ہوا اور نہ اس کی عادت تھی، دفعتاً ایک جدید اور خلاف عادت کی پابندی کرنا بہت دشوار تھا۔ اس وجہ سے اس تجویز کے متعلق کوئی عملی کارروائی نہ ہو سکی، جب ہمارے بھائی غفلت کی نیند سے چونکیں گے اور اس امر کی ضرورت انہیں محسوس ہو گی تو انشاء اللہ اس تجویز میں پوری کامیابی ہو گی۔"

ندوۃ العلماء نے آج سے ۸۵ سال قبل اصلاح نصاب تعلیم اور مدارس عربیہ کے وفاق کی دعوت دی تھی، بانیان ندوۃ العلماء کی گہری بصیرت نے جن خطرات کا ادراک کیا تھا وہاں تک عام مسلمانوں کے ذہن کی رسائی نہیں تھی، اصلاح نصاب کو اس دور میں عملی جامہ پہنایا جاتا اور مدارس عربیہ کا وفاق قائم کر کے انہیں ایک کڑی میں مربوط کیا جاتا تو اس ۸۵ سال کے طویل عرصہ میں وہ نتائج رونما ہوتے جن سے ملت اسلامیہ کی حیات نو اور دیندار طبقہ کی قیادت و امامت کی راہ ہموار ہوتی مگر افسوس ہے کہ اس ناگزیر تبدیلی اور اصلاح پر بروقت اور ہمہ گیر عمل نہیں ہوا۔ اس جمود پسندی کی توجیہ ندوہ کے ایک پرانے سرگرم رکن مولانا شاہ سلیمان پھلواروی نے ایک جملے میں اس طرح کی ہے کہ:-

"لوگوں کے ہاتھ میں چند برس جو لاٹھی رہ جاتی ہے اس کو چھوڑنا بھی مشکل ہوتا ہے تو جس نصاب کو صدیوں سے سینہ سے لگائے چلے آ رہے ہیں اس کو چھوڑنا کتنا مشکل ہو گا"۔

اس جمود پسندی اور روایت پرستی نے دیندار طبقہ کی اہمیت اور افادیت آہستہ آہستہ ختم کر دی اور بدلتے ہوئے حالات نے انہیں آثار قدیمہ بنا کر رکھ دیا۔ اب اس کوتاہی کا احساس علماء اور وہ تعلیمی مراکز تک اپنے نظام تعلیم میں تبدیلی کی شدت سے ضرورت سے محسوس کر رہے ہیں اور کسی نہ کسی درجہ میں اس پر عمل شروع ہو گیا ہے۔ کامل ایک صدی کا عرصہ اور فیصلہ کن دور غفلت کی نذر ہو گیا۔ دینی مدارس کی بہتات و کثرت اور اسباب و وسائل کی فراہمی میں ان کی باہمی چپقلش، نظم و انتظام کی خامیاں، نصاب درس اور طریقۂ امتحان کی لامرکزیت اور ایک عام ابتری دیکھ کر آج ہر سنجیدہ مسلمان مدارس اسلامیہ کے وفاق کی ضرورت محسوس کر رہا ہے، جو بات ایک صدی پہلے کرنے کی تھی اس کی ضرورت آج بھی مسلم ہے مگر اس کی عملی تشکیل کی طرف سے عام مایوسی نظر آتی ہے۔ ندوۃ العلماء اپنی اس اجنبی اور نامانوس دعوت کو روز اول سے آج تک دے رہا ہے اس نے ذہن بنانے اور حقائق پر نظر رکھنے والا ایک حلقہ تیار کرنے کا کام برابر جاری رکھا۔

ناظم ندوۃ العلماء مولانا محمد علی نے اپنی یک سالہ رپورٹ کے آخر میں اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے:-

"ایک ایسا جلسہ جو ہندوستان کی تاریخ میں بالکل ایک نئی قسم کا جلسہ ہو، جس کی تجویزوں سے لوگوں کے کان آشنا نہ ہوں، جس کی تجاویز نہایت اہم اور مشکل ہوں اسکے متعلق ایک سال کے اندر اس قدر کامیابیاں بھی کچھ اہم نہیں ہیں۔ اس سال کے جلسے میں تمام مکاتب فکر و خیال کے عوام و خواص کا جو ہجوم اور مجمع اور جوش آپ دیکھ رہے ہیں وہ اس دعوے کا کافی ثبوت ہے۔"

اس رپورٹ میں ندوۃ العلماء کے سال گذشتہ کے اراکین کی تعداد ۲۲۴ تبلائی گئی جن میں ۴ رکن اعزازی اور ۷۱ رکن قسم اول یعنی علماء اور ۱۴۹ عام ارکان۔

سال گزشتہ کی آمدنی	خرچ	بقایا نقد تحویل

رپورٹ کے بعد مولانا انعام اللہ صاحب (جو لکھنؤ کے ایک متبحر اور صاحب تصانیف عالم مولانا ولی اللہ لکھنوی کے پوتے ہیں) نے ایک مبسوط مقالہ پیش کیا جس میں انہوں نے ندوۃ العلماء کے قیام کو وقت کی ایک اہم ضرورت نیز علم کی اہمیت کو مدلل طریقہ سے پیش کیا تھا۔

(باقی)

پرنٹر، پبلشر و مسئول سید محمد حسنی نے جے کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کر دفتر تعمیر حیات ندوۃ لکھنؤ سے شائع کیا۔

اڈیٹر: اسحٰق جلیس ندوی

پروفیسر سید احتشام ندوی ایم۔ اے ندوی، ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی، صدر شعبۂ عربی، کالی کٹ یونیورسٹی کیرالا

کیرالا کا نظام المساجد

صوبہ کیرالا میں مسلمانوں کا نظام المساجد اپنی گوناگوں صفات کے باعث ممتاز ہے اور ملک کے دوسرے حصوں سے بہتر ہے۔ عام طور سے مساجد میں یہاں مینار بنانے کا رواج نہیں (میرے خیال میں اس کا سبب کثرت سے بجلی گرنا اور اس کے نتیجہ میں موتیں ہیں اس لئے کہ بجلی بلند چیزوں پر گرتی ہے)۔ مسجدیں عموماً دو منزلہ ہوتی ہیں پہلی منزل میں نماز ہوتی ہے اور دوسری منزل پر طالبان علوم بوقت قیام کرتے۔ ہر مسجد میں حوض ہوتا ہے کہیں بڑا اور کہیں چھوٹا۔ مساجد کی پہچان محض صفائی سے ہو سکتی ہے مثلاً اکثر مساجد ہرے رنگ کی ہوتی ہیں یا پھر نیلگوں رنگ کی مگر اس کے لئے کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ مساجد دیکھنے میں گھر معلوم ہوتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ شمالی ہند اور دکن کی طرح مسجدوں میں کھلا ہوا صحن نہیں ہوتا۔ مسجد چھت ہی سے شروع ہوتی ہے ایک طرف حوض اور اس کے آس پاس یا دوسری جانب پیشاب خانہ۔ کھلے صحن کے نہ ہونے کی وجہ غالباً کثرت بارش ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ کہیں عیدگاہ نظر نہیں آتی اور نہ قبرستان۔ میں نے تین برس رہنے کے بعد تعجب کیا کہ کہیں قبر ہی نظر نہیں آئی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ہر مسجد قبرستان ہے، مسجد کے عقب میں دفن میت کا رواج ہے۔ چونکہ میں نے بچپن سے شمالی ہند میں دیکھا تھا کہ ہر مسلم آبادی کا اپنا قبرستان ہوتا ہے، جہاں پکی اور کچی مختلف انداز کی قبریں نظر آتی ہیں۔ اسی طرح عیدگاہ کا معاملہ ہے ہر مسلم آبادی کے باہر عیدگاہ ہوتی ہے۔ جہاں عید کی نماز کے لئے لوگ جوق در جوق نکل جاتے ہیں اور بڑی تعداد میں نماز ادا کرتے ہیں جب دکن میں قیام کا اتفاق ہوا تو وہاں چند فروق نظر آئے۔ پورے دکن میں قبرستان اور عیدگاہ دونوں ایک ہی جگہ ہوتے ہیں مگر شمالی ہند کے انداز میں آبادی سے ذرا دور پر۔ بلکہ دکن میں عیدگاہ میں شامیانہ کا رواج بھی ہے۔

مالابار میں عیدگاہ کے نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ برسات ۶ ماہ رہتی ہے اور نہایت زبردست ہوتی ہے، درجنوں آدمی بجلی گرنے سے مر جاتے ہیں۔ عید کے مہینہ بدلتے رہتے ہیں بارش کے موسم میں جب ۲۰-۳۰ دن سورج نہیں نکلتا کھلے میں نماز ادا کرنا ممکن ہے؟ قبرستان تو بن سکتے ہیں مگر وہ مساجد سے علیحدہ بہت کم ہیں مثلاً کیولینڈی میں ایک بڑا قبرستان ہے۔ کالی کٹ یونیورسٹی سے ملحق ایک مسجد ہے میں ایک بار نماز ادا کرنے گیا تو دیکھا ۸-۱۰ قبریں کھدی ہیں پہلے خیال ہوا کہ شاید اچانک کسی حادثہ میں اتنی قبریں کھودنے کی ضرورت پیش آئی ہو۔ دوبارہ گیا تو پھر وہ اسی طرح نظر آئیں لہذا میں نے ایک صاحب سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہاں رواج ہے کہ اندازے سے قبریں کھود کر چھوڑ دی جاتی ہیں اور حسب ضرورت استعمال کی جاتی ہیں چونکہ زمین سخت اور پتھریلی ہے آسانی سے عین موقع پر قبر کھودی نہیں جا سکتی اس میں دیر لگتی ہے۔ پتھریلی قبروں کے گہرے منہ دیکھ کر ذرا جھرجھری سی محسوس ہوئی مگر یہ تو ہر ابن آدم کا مقدر ہے جیسا کہ حضرت کعب بن زہیر نے کہا تھا ؎

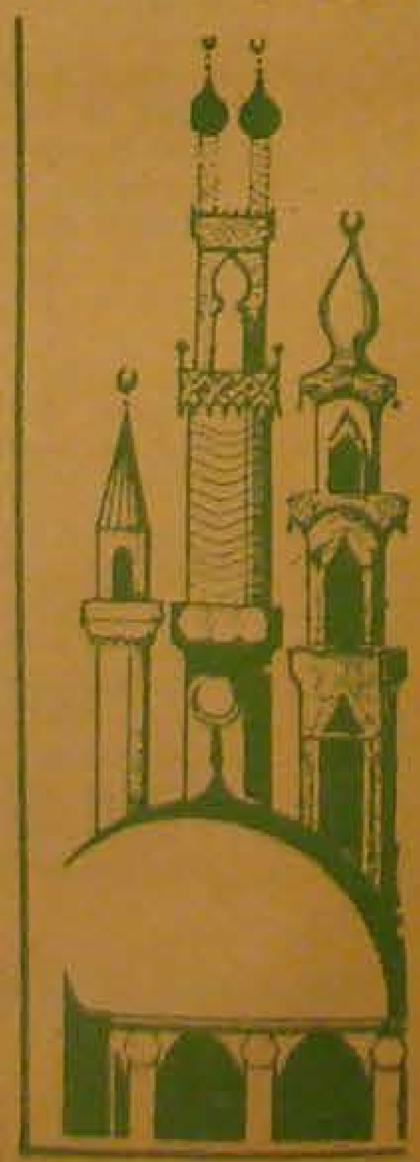

وکل ابن انثی وان طالت سلامتہ
یوماً علی آلۃ حدباء محمول

(ہر عورت کا بیٹا خواہ جتنے دن بھی سلامت رہے ایک دن تابوت پر اٹھا کر لے جایا جائیگا)

دکن کی مساجد میں ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ ہر مسجد میں پیشاب خانہ کے علاوہ بیت الخلاء بھی ہوتا ہے، حوض اور میٹنڈن بھی بنایا جاتا ہے مالابار میں عموماً بیت الخلاء نہیں ہوتا مگر ان مسجدوں میں ضرورۃً ہوتا ہے جہاں درس کا نظم ہے اور طلبہ و علماء بالائی منزل پر قیام پذیر ہوتے ہیں ہر مسجد کی کمیٹی ہوتی ہے اور نمازیوں سے ماہوار اخراجات کے لئے چندہ لیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ ہر جگہ رائج ہے۔ مسجد کے ایک امام کو مصلیار کہتے ہیں، موذن "ملاکا" کہلاتا ہے یعنی ملا اور تیسرا "مکری" مکری مسجد کی صفائی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ اہل حدیث علماء "مولوی" کہلاتے ہیں مگر علمائے شوافع ایک نئی اصطلاح "مصلیار" کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ مولوی اور مصلیار کا استعمال نام کے آخر میں ہوتا ہے جب کہ شمال میں مولوی یا مولانا نام سے قبل اور دکن میں حضرت نام سے قبل مستعمل ہے۔

زیادہ تر مسجدوں میں درس کا طریقہ رائج ہے گویا مساجد مدارس کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔ عموماً ایک یا دو عالم دین رہتے ہیں جو ۱۰ تا ۲۵ طلبہ کو علوم اسلامیہ کی تعلیم دیتے ہیں اور فقہ شافعی پڑھاتے ہیں۔ اس طرز تعلیم کا پورے کیرالہ میں رواج ہے جو ہندوستان کے کسی علاقہ میں نہیں پایا جاتا۔ درس میں اعلیٰ تعلیم تک طلبہ کو پہونچا دیا جاتا ہے مگر تکمیل کے لئے طلبہ دیوبند یا باقیات الصالحات ویلور یا پھر جامعہ نوریہ (فیض آباد) پر منتقل ہو جاتے ہیں (یہ علاقہ کیرالا کے ملاپورم ضلع میں واقع ہے)۔

کیرالا کی ہزاروں مسجدوں میں ہزاروں طلبہ اور سیکڑوں اساتذہ کے اخراجات کا نظم یہ ہے کہ بالکل بچپن میں لڑکوں کو والدین مساجد بھیج دیتے ہیں وہاں سے ان کے جملہ اخراجات کا انتظام ہو جاتا ہے، مسجد والے قیام و طعام کا انتظام کرتے ہیں اور اساتذہ کو تنخواہ بھی دیتے ہیں۔ بستی کے متمول حضرات اپنے یہاں بچوں کے کھانے کا انتظام کر دیتے ہیں اور اسی طرح اساتذہ کا بھی۔ اساتذہ کو قیام و طعام کے علاوہ ۳۰-۴۰-۵۰-۶۰ اور ۱۰۰ تک مساجد میں تنخواہیں مل جاتی ہیں۔ یہ نظم صدیوں سے قائم ہے۔

درس سے فارغ طلبہ عربی زبان میں گفتگو کر سکتے ہیں اور ان کی صرف و نحو بھی پختہ ہوتی ہے۔ ان کو مساجد میں امامت یا پھر تدریس کی ملازمت بھی مل جاتی ہے۔ اسی طرح کیرالا کی مساجد میں علماء بڑی تعداد میں ہر سال تیار ہوتے ہیں اور میری ناقص رائے میں یہاں دینداری کا بڑا سبب یہی فیض جاری ہے جس سے ہر طرف بارش نور ہے۔

بعض لوگ مساجد میں سوتے بھی ہیں اور دوپہر کو آرام بھی کرتے ہیں۔ یہ بھی اچھا طریقہ ہے آخر یہ بڑی بڑی عمارتیں انسانوں کے کام کیوں نہ آئیں؟ میری رائے تو یہ ہے کہ تمام مساجد میں مسافروں کے لئے مفت قیام کی اجازت ہونی چاہئے۔

نہایت دل خوش کن بات یہ ہے کہ یہاں مسجدوں میں چوری نہیں ہوتی یا برائے نام ہے خاص طور سے جوتے محفوظ ہیں۔ میں بمبئی گیا تھا تو جوتے مسجد کے سامنے رکھنے پڑے تھے مگر مالابار کی مسجدوں میں عموماً جوتے محفوظ رہتے ہیں شاید سارے عالم اسلام میں یہ خصوصیت صرف اسی علاقے کے ساتھ مخصوص ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلی مسجد مالابار میں بنی۔ کرنگنور، جو ترچور کے قریب ہے وہاں یہ مسجد موجود ہے پھر بہت سی مساجد بنی تھیں۔ دور قدیم سے اسلامی مرکز پنانی ہے جہاں حضرت امام ابن حجر کے شاگرد حضرت زین الدین مخدوم نے قیام فرمایا تھا اور ان کی مسجد مسجد مخدوم کہلاتی ہے۔

کیرالا کی دو مساجد قابل صد فخر ہیں ایک کالی کٹ کی پانچ منزلہ مسجد "محی الدین پلی" اور دوسری تریوندرم کی جامع مسجد جس کا افتتاح ڈاکٹر ذاکر حسین نے فرمایا تھا۔ یہ شاندار مسجد چرچ کے سامنے بڑی آن بان سے کھڑی ہے۔

یہاں چند باتیں بڑی دلچسپ ہیں مسجد میں حوض کے پاس ایک بالکل چھوٹا حوض ہوتا ہے اس کے درمیان میں اوپر ایک "کھٹولا" لٹکتا ہے اس میں ناریل کے سر کی سخت لکڑی سے بنی ہوئی ڈوئیاں رکھی رہتی ہیں گویا ناریل کے ڈونگے ہوتے ہیں۔ نمازی پہلے وہاں آ کر اپنے پیر دھوتے ہیں پھر ڈونگے سے پانی لیکر پیر صاف کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین ان علاقوں کی رنگین ہے یعنی سرخ، اگر کوئی چپل پہنے تو پیر میں سرخ رنگ لگ جاتا ہے اور وہ فرش پر لگ جاتا ہے اسی بنا پر چھوٹا حوض یا "پیر حوض" ہے کہتی بہت سے گھر بنے ہوتے ہیں یہیں جھانوے جن کی کھردری سطح پر لوگ پیر رگڑ کر صاف کرتے ہیں۔ یہ کیفیت صرف کیرالا کی مساجد میں ہے دکن کے علاقوں میں نہیں پائی جاتی حالانکہ زمین وہاں بھی سرخ ہے۔

یہ طلبہ اور اساتذہ جو مسجد کی دوسری منزل پر رہتے ہیں ان کی وجہ سے یہاں مساجد ہر وقت آباد رہتی ہیں ان میں اصحاب صفہ کی شان ہے نہ ...